اور اخبارون مین اُن کا کلام اکثر نکلتا رہتا ہے، تابشِ خیال کے نام سے اُنہون نے اپنے نئے کلام کا مجموعہ مرتب کیا ہے، شروع مین ایک مقدمہ ہے جو اب گویا نئے اصول دیوان سازی کے مطابق پرانی تقریظ کی جگہ رائج ہو رہا ہے، پرانی تقریظ اور نئے مقدمہ مین فرق اس قدر ہوتا ہے کہ تقریظ اخیر مین ہوتی تھی اور مقدمہ شروع مین ہوتا ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ تقریظ زری لفاظی ہوتی تھی اور مقدمہ مدلل ہوتا ہے، بہرحال افسر کے کلام مین اچھے پُر درد، بلند، اور فلسفیانہ و صوفیانہ اشعار کی تعداد خاصی ہے، مگر انہین کے پہلو بہ پہلو دوسرے قسم کے اشعار بھی ہین، مثلاً

اُس نقطۂ شباب کی بدقسمتی نہ پوچھو ۔۔۔ محدود ہو جو دائرۂ اضطراب سے

قیمت ۸ھ، پتہ:۔ شاہد علی امجد علی امروہوی، رام سوامی نسروان کمپونڈ متصل نیو ورکشاپ کراچی،

ذکرِ مبارک، مولانا عبد الرحمٰن صاحب نگرامی ندوی مرحوم خدا اُن کو غریقِ رحمت کرے، سرورِ کائنات علیہ السلام والتحیات کے حال مین مختصر سے مختصر اور سہل سے سہل لفظون مین یہ رسالہ لکھا تھا جس کو انکی وفات کے بعد شبلی بک ڈپو لکھنؤ نے شایع کیا ہے، بچون اور عورتون کے پڑھنے کے قابل اور عام مسلمانون مین تقسیم کرنے کی چیز ہے، قیمت ۱ر، پتہ:۔ شبلی بک ڈپو لکھنؤ،

اسلام اور عبادت، ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی سابق اڈیٹر ہمدرد دہلی، اصلاحی اور مذہبی مسائل مین بڑی خوبی سے آسان و سہل لیکن دلچسپ طرز ادا مین اچھے اچھے مضامین اور رسالے لکھتے رہتے ہین، اسی سلسلہ مین یہ رسالہ بھی لکھا ہے اس مین اسلامی عبادت کے فلسفہ اور اُس کی حکمتون اور مصلحتون کو خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے، اور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے مصالح بتائے ہین،

قیمت ۸ر، پتہ:۔ منیجر نظام المشائخ پوسٹ بکس نمبر ۱۵ دہلی،

"ض"

جلد بست و پنجم ۲۵ | ماہ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۰ء | عدد ۶

مضامین

تصحیح

صفحہ ۴۷۰، ۴۷۱ مین "مقری" کے بجائے ہر جگہ "مقریزی" چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کر لین،

"ر"

شذرات

معارف کے صفحات مین سندھ کے کتبخانہ پیر جھنڈا کا نام اکثر آیا ہے، گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد سندھ مین ایک مقام ہے، جہان ایک زمانہ سے بزرگون کی ایک مسند بچھی ہے، جسپر بیٹھنے والے عام پیرو مشائخ سے ایسی بالاتر ہستیان تھین، جنھون نے اپنی نفس کی خدمت کے بجائے علم و دین کی خدمت اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا، آجکل اس خانوادہ کا پانچوان رکن یہان مسند نشین ہے، تیسرے مسند نشین نے زمانہ کا رنگ دیکھکر اصلاح امت کی خاطر دو بڑے کام کئے، ایک تو ایک مذہبی مدرسہ کی بناڈالی جسمین خالص علوم دین کی تعلیم دیجائے اور مبتدعانہ مراسم سے بچایا جائے، اور دوسرے ایک نادر عربی کتبخانہ کی بنیاد رکھی، یہ دونون خیر جاری، اب تک نہ صرف جاری بلکہ رو بہ ترقی ہین،

اس مدرسہ کا نام دار الرشاد ہے، اس کا مستقل نظم و نسق اور باقاعدہ سلسلۂ تعلیم سنہ ۱۳۱۹ھ مین صورت پذیر ہوا، چوتھے مسند نشین اس کے چندہ کے لیے اپنی جیب خاص اور اپنے معتقدین و متوسلین سے سالانہ سرمایہ فراہم کرتے رہے، مگر اب اس مدرسہ کا نظام اتنا بڑھ گیا ہے کہ تنہا ایک حلقہ خواہ وہ کتنا ہی وسیع ہو، کافی نہین،

پچھلے سال مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، جسکی صدارت کے لیے ارکان نے راقم الحروف کا انتخاب کیا تھا، اور مین سفر کے لیے تیار بھی تھا کہ دفعۃً لکھنؤ تک پہنچکے در گروہ کے دورہ نے اس دورہ کو روک دیا، اور معذرت کرنی پڑی، اور گو اپنی آنکھون سے مین اس درسگاہ کی زیارت نہ کرسکا، مگر ناظم صاحب مدرسہ نے میرے لیے مدرسہ کے متعلق ضروری معلومات لکھکر بھیجے، اور جن کو پڑھکر مین اس نتیجہ پر پہنچا کہ سندھ مین ایک ایسے مدرسہ کی جو کتاب و سنت کی تعلیم دے

اور بدعات فاسدہ سے مسلمانون کو محفوظ رکھے، سخت ضرورت ہے، اور اس لیے یہ مدرسہ نہ صرف متوسلین پیر جھنڈا بلکہ سندھ کے تمام مسلمانون کی اعانت کا مستحق ہے، امید ہے کہ سندھ کے اہل کرم اس چشمۂ فیض کی طرف توجہ کرینگے جو دریاے سندھ کے ساتھ ساتھ ان کی آبیاری اور سیرابی مین مصروف ہے،

عام اخبارات مین اور معارف کے نام بھی ایک مطبوعہ تحریر مصر مین مقیم ایک ہندوستانی مسلمان شیخ محمود احمد عرفانی صاحب کی موصول ہوئی ہے جسمین مصر سے اردو زبان مین اسلامی دنیا نام ایک صحیفہ کی اشاعت کا اعلان ہے اور جس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی ملکون کو باہم ایک دوسرے سے متعارف کرنا، گو کہ مصر مین اسی مقصد بلکہ اس سے وسیع مقصد سے ایک عربی رسالہ الرابطۃ الشرقیہ نام نکل رہا ہے، تاہم اردو کا یہ مجوزہ صحیفہ بھی اپنی جگہ پر مفید ہوگا، یہ شیخ محمود احمد صاحب مولوی ابو تراب صاحب احمدی اڈیٹر رسالہ الحکم قادیان کے صاحبزادہ ہین، اس لیے ان کی خدمت مین یہ عرض کردینا مناسب ہوگا کہ وہ اپنے مجوزہ صحیفہ کو امید ہے کہ اختلافی مذہبی مسائل سے بھی پاک رکھین گے، اور جس خالص نیت کا انھون نے اظہار کیا ہے، اسی خلوص نیت پر وہ قائم بھی رہین گے، ایسا نہ ہو کہ یہ دنیاے اسلام، دنیاے اسلام کے اتحاد و اتفاق کی دعوت کے بجاے اختلاف و افتراق کا ارگن بنجائے،
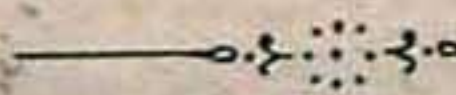
علامہ شبلی مرحوم کے مضامین کے دو مجموعے مقالات اور رسائل کے نام سے مدت ہوئی کہ چھپ چکے ہین، مگر اب تک ان کے سینکڑون مضامین متفرق اخبارات و رسائل مین منتشر ہین، قدردانون کا تقاضا تھا کہ ان بکھرے ہوے موتیون کو بھی چنکر کسی رشتہ مین منسلک کردیا جائے، اب یہ کام شروع کردیا گیا ہے، اور بہت سے مضامین یکجا ہو گئے ہین، اور بہت سے پرانے اخبارات و رسائل کے فائل الٹے جارہے ہین، اس سلسلہ مین کوئی صاحب اگر ہم کو مدد دینا چاہین تو ہم شکریہ کے ساتھ قبول کرینگے

اندازہ ہے کہ یہ مضامین دس جلدون مین سما سکینگے، رسائل اور مقالات اور عالمگیر والے مضامین بھی اسی کے اندر ہونگے، جلدون کی تقسیم عنوانات پر ہوگی یعنی مذہبی ایک جلد، تعلیمی ایک جلد، سیاسی ایک جلد، وغیرہ اس وقت تک اس کے حسب ذیل عنوانات قائم کئے گیے ہین، مذہبی، علمی تعلیمی، تنقیدی، ادبی، سیاسی، تاریخی، تمدنی، قومی، اور آخری جلد اُن کے خطبات اور تقریرون کی ہوگی،

اڈیٹر معارف نے ۱۹۲۳ء مین "عرب و ہند کے تعلقات" پر جو خطبے ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد مین دیئے تھے وہ اب چار سو صفحون کی ایک مبسوط و مفصل کتاب کی صورت مین اکاڈیمی مذکور کی طرف سے خوبصورت ٹائپ مین چھپکر اور مجلد ہو کر شائع ہو گئی ہے، اور وہین چار روپیے مین ملے گی، امید ہے کہ یہ نیا مبحث اہل علم اور عام ناظرین بلکہ ہندو مسلمان دونون کے لیے مفید ہوگا،

دار المصنفین کی موتی مسجد (تشبیہہ صرف چھوٹی مگر لطیف ہونے مین ہے) الحمد للہ کہ تعمیر ہو رہی ہے، دیوارین دس بارہ فیٹ بلند ہو چکی ہین، مسجد کا طول و عرض اس قدر ہے کہ سو آدمی اس کے دو ٹکڑون مین پچیس پچیس کی چار صفون مین آسکین، طرز تعمیر مین قدیم و جدید دونون نمونون کی تقلید کیگئی ہے، مولانا مسعود علی صاحب ندوی دن کو اس کی عملی عبادت، اور رات کو اسی کے تصوری مراقبہ مین مصروف رہتے ہین، امید ہے کہ اس مسجد کے اختتام تک ان کی اس طاعت و عبادت کا ذوق اگر اسی طرح قائم رہا، تو آیندہ سال خانۂ خدا کے بعد بندگان الٰہی کے لیے بھی چند گھر دار المصنفین کے احاطہ کے اندر بنوانے مین وہ کامیاب ہو جائینگے،

مقالات

تاریخ کے بعض پوشیدہ اوراق

ابن بطلان کی دو ضمنی تحریرین

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اسلامی دور حکومت مین جو عیسائی، یہودی، اور مجوسی حکما پیدا ہوے، مسلمانون نے کمال بے تعصبی کے ساتھ اُن کو حکماے اسلام مین شامل کر لیا، اور جو کتابین اس موضوع پر لکھی گئین ان مین نہایت تفصیل کے ساتھ اُن کے حالات درج کئے، ابن بطلان جس کی بعض تحریرون کا ذکر ہم اس مضمون مین کرنا چاہتے ہین اسی قسم کا ایک عیسائی طبیب ہے،

ابن بطلان[1] کا پورا نام ابو الحسن مختار بن حسن ہے، وہ بغداد کا رہنے والا تھا اور کرخ کے عیسائی علماء سے تعلیم حاصل کی تھی، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء مین لکھا ہے کہ اس نے ابو الفرج عبد اللہ بن طیب سے بہت سی حکمت کی کتابین پڑھین، اور ثابت بن ابراہیم بن زہرون حرانی کی خدمت مین بھی مدتون رہا اور اس سے طبی فوائد حاصل کئے، وہ علی بن رضوان طبیب مصری کا معاصر تھا اور ان دونون مین باہم مناظرات رہتے تھے، یہان تک کہ ان دونون مین جو شخص کوئی کتاب لکھتا دوسرا اسکی تردید ضرور کرتا، اس نے سنہ ۴۳۹ھ مین علی بن رضوان کی ملاقات کے لیے بغداد سے مصر کا سفر کیا اور جزیرہ، موصل اور دیار بکر سے گذرتا ہوا پہلے حلب مین پہنچا، اور وہان معز الدولہ ثمال بن صالح نے اس کی بہت تعظیم و تکریم کی،

[1] یہ مضمون اخبار الحکماء اور طبقات الاطباء سے ماخوذ ہے،

علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء مین لکھا ہے کہ جب وہ حلب مین پہنچا تو جس بادشاہ نے اس وقت حلب پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اس سے درخواست کی کہ اس کو عیسائیون کی عبادت کا متولی بنا دیا جائے چنانچہ اس نے اس کو اس کا متولی بنا دیا، اور غالباً وہ یہی معز الدولہ ثمال ابن صالح تھا، بہرحال ابن بطلان نے اس جلیل القدر منصب کو حاصل کر کے عیسائیون کے اصول و شرائط کے موافق ان کے دینی قوانین بنائے جن کو وہان کے عیسائیون نے ناپسند کیا اور اس قدر برہم ہوئے کہ اسکی ہجوین لکھین،

سوء اتفاق سے حلب مین ایک عیسائی طبیب جس کا نام حکیم ابوالخیر بن شرارہ تھا موجود تھا، وہ جب ابن بطلان سے ملتا تھا اور اس سے طبی مسائل کے متعلق مناظرہ کرتا تھا تو ابن بطلان اس کو منطقیانہ دلائل سے ساکت کر دیتا تھا اور وہ بظاہر مناظرے مین بند ہو جاتا تھا لیکن جب اس کے یہان سے آتا تھا تو اس غصے سے اسکی غیبت کرتا تھا اور حلب کے عیسائیون کو اس کے خلاف بھڑکاتا تھا، اور کہتا تھا کہ اس کے عقائد اچھے نہین، ان اسباب سے ابن بطلان نے حلب مین قیام کرنا پسند نہین کیا اور وہان سے روانہ ہو کر مصر پہنچا، اور ابن رضوان سے ملاقات کی، لیکن یہان بھی دونون مین سخت ناگوار مناظرے ہوئے، یہانتک کہ اس کو مصر بھی چھوڑنا پڑا اور وہان سے روانہ ہو کر انطاکیہ پہنچا، جہان پہنچکر کثرت سفر اور نا مساعد صحبتون نے اس کو دنیا سے علیحدہ ہونے پر مجبور کیا اور اس نے انطاکیہ کے ایک گرجے مین قیام کر کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی اور اسی حالت مین سنہ ۴۴۴ھ مین وفات پائی[1]،

معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس راہبانہ زندگی کے وہ انطاکیہ کے راہبون کو بھی خوش نہ رکھ سکا، چنانچہ ایک انطاکی راہب کا بیان ہے کہ جس گرجے مین ابن بطلان کا معبد ہے، جب اس مین چراغ جلایا جاتا ہے تو بجھ جاتا ہے، اس کے متعلق اس قسم کے اور واقعات مذکور ہین، اور اگر وہ سچ ہین تو حکمائے اسلام کو اپنے ہم مذہب لوگون کے جور و تعدی کا کوئی گلہ نہین کرنا چاہیے،

[1] اخبار الحکماء قفطی، لیکن ابی اصیبعہ نے اسکی کتابون کا جو سال تالیف لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سن کے بعد بھی مدتون زندہ رہا ہے،

ابن بطلان نے مختلف موضوع و مباحث پر بکثرت کتابین لکھین جنکے نام حسب ذیل ہین،

نام کتاب	کیفیت
کناش الادیرۃ والرہبان	
کتاب شرار العبید	نام سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامون کی خرید و فروخت پر کچھ لکھا ہوگا،
تقلیب الممالیک والجواری،	یہ بھی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے غلامون اور لونڈیون کے متعلق ہوگی
کتاب تقویم الصحۃ	
مقالۃ فی شرب الدواء المسہل	
مقالۃ فی کیفیۃ دخول الغذاء فی البدن وہضمہ،	
مقالۃ فی سقی الادویۃ المسہلۃ وترکیبہا	
مقالۃ الی علی بن رضوان	جب وہ سنہ ۴۴۱ھ مین فسطاط مین پہنچا ہے تو علی بن رضوان کے نام یہ مضمون اس کے ایک مضمون کے جواب مین بھیجا ہے
مقالۃ علۃ نقل الاطباء المہرۃ تدبیر اکثر الامراض التی کانت تعالج قدیما بالادویۃ الحارۃ الی التدبیر المبرد،	یعنی اس بحث پر مضمون کہ قدیم زمانے مین جن امراض کا علاج گرم دواؤن سے کیا جاتا تھا، ماہر اطباء ان کا علاج سرد دواؤن سے کیون کرنے لگے؟ اس مین اس نے قدماء اطباء کی رایون سے جو قرابادینون مین درج ہین مخالفت کی ہے
مقالۃ فی الاعتراض علی من قال ان الفرخ احر من الفروج،	یعنی ان لوگون پر اعتراض جو یہ کہتے ہین کہ مرغی کا بچہ چوزے سے زیادہ گرم ہے، اس نے سنہ ۴۴۱ھ مین بمقام مصر یہ مضمون لکھا تھا،

نام کتاب	کیفیت
کتاب المدخل الی الطب	اس نے یہ کتاب امیر نصیر الدولہ ابی نصر احمد بن مروان کے لیے لکھی تھی
کتاب دعوۃ الاطبار	
کتاب دقعۃ الاطبار	
کتاب دعوۃ القسوس	یعنی پادریون کی دعوت ،
مقالۃ فی مداواۃ صبی عرضت لہ حصاۃ	یعنی اس بچے کا طریقہ علاج جس کے مثانون مین پتھری پڑگئی ہو

ان رسالون اور کتابون کے علاوہ اس کے بعض خطوط اور تحریری مناظرے ہین جو قدیم زمانے مین ایک نادر چیز خیال کئے جاتے تھے، چنانچہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا مین لکھا ہے ،

وکانت بین ابن بطلان وابن رضوان المراسلات العجیبۃ والکتب البدیعۃ الغریبۃ

ابن بطلان اور ابن رضوان کے درمیان نہایت عجیب و غریب خط وکتابت ہوئی ہے ،

اور اس کے طرز تحریر کی یہ ادبی خصوصیت بتائی ہے ،

وکان ابن بطلان اعذب الفاظاً واکثر ظرفا وامیز فی الادب وما یتعلق بہ

ابن بطلان کے الفاظ نہایت شیرین ہوتے تھے، اور وہ ایک چرب زبان انشا پرداز اور ادب اور متعلقات ادب مین ممتاز تھا

خوش قسمتی سے علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما مین اس کا ایک خط جو ایک رئیس ہلال بن محسن بن ابراہیم کے نام ہے، نقل کیا ہے، اور مصر مین ابن رضوان سے اس نے جو مناظرے کئے ہین، ان کے سلسلے مین اس کو جو خط لکھا ہے، اس کو بھی علامہ موصوف نے اس کتاب مین درج کیا ہے، یہ دونون خطوط اگرچہ اخبار الحکما کے ساتھ چھپ گئے ہین، لیکن بانیہمہ وہ عام ناظرین کے لیے ایک یادگار قلمی تحریر کی حیثیت رکھتے ہین، اسلیے ہم اس موقع پر ان کا خلاصہ درج کرتے ہین،

ہلال بن محسن کے نام اس نے جو خط لکھا ہے وہ درحقیقت اس کا مختصر سا سفرنامہ ہے جسکو اس نے

اس کے پاس اسلیے بھیجا ہے کہ ایک تاریخی کتاب مین درج کیا جائے، چنانچہ لکھتا ہے کہ

"مین جب بارگاہ عالی سے رخصت ہوا تو دل مین یہ نیت کرلی کہ جن اطراف وبلاد کی سیاحت کرون اس کے نادر اور اعجوبہ خیز واقعات کے مطالعہ سے بارگاہ عالی مین اپنی یاد تازہ کرتا رہون تاکہ اس طریقہ سے اس کتاب کی جو محاسن ومفاخر کی تاریخ اور معانی ومآثر کا مجموعہ ہے خدمت کرون، تاکہ جناب ان مین سے جن باتون کو پسند فرمائین ان کو اس مین درج کردین،

مین بغداد سے نکلا تو اور شہرون کے مشائخ وخواص سے ملاقات کی اور ان کے آثار وعجائب قلمبند کئے، مجھ سے عجیب وغریب خبرین بیان کیگئین اور مجھکو عمدہ اور لطیف اشعار سنائے گئے، لیکن وقت کی تنگی اور قاصد کی جلد بازی سے اس کے اکثر حصے کو نظر انداز اور تھوڑے سے حصے کو درج کرتا ہون، مین خدا کا نام لیکر رمضان ۴۴۰ھ مین نہر عیسیٰ کو عبور کرکے انبار کے قصد سے نکلا اور انیس منزلین طے کرکے رحبہ مین پہنچا، رحبہ ایک پاکیزہ شہر ہے، اور اس مین طرح طرح کے بیشمار میوہ جات ہین، اور صرف انیس قسم کے انگور ہین، وہ انبار، حلب، تکریت، موصل، سنجار اور جزیرہ کے درمیان واقع ہے، اور اس مین اور قصر رصافہ کے درمیان چار دن کا راستہ ہے، مین رصافہ سے حلب کو روانہ ہوا اور چار منزلین طے کرکے وہان پہنچا، حلب سفید پتھر کی چار دیواریون سے گھرا ہوا ہے، اس کے چھ دروازے ہین، اور چار دیواری کے پہلو مین قلعہ ہے، جس کے اوپر ایک مسجد اور دو گرجے ہین، ان دونون گرجون مین سے ایک مین وہ قربان گاہ ہے، جس مین حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کیا کرتے تھے، قلعے کے حصۂ زیرین مین ایک غار ہے جس مین ان کی بکریان رہتی تھین، چنانچہ جب وہ ان بکریون کو دوہتے تھے، تو ان کے دودھ سے لوگون کی مہمانی کرتے تھے، اس لیے لوگ باہم یہ پوچھتے رہتے تھے کہ حَلَبَ اَمْ لَا یعنی انھون نے دودھ دوہا یا نہین؟ اسی بنا پر اس کا نام حلب پڑگیا، اس شہر مین ایک جامع مسجد

بھ گرجے، اور ایک چھوٹا سا شفاخانہ ہے، اور فقہا امامیہ مذہب کے موافق فتوے دیتے ہین[1]، شہر کے لوگ
تالابون کا پانی پیتے ہین، اس کے دروازہ پر ایک نہر ہے، جو قویق کے نام سے مشہور ہے، جاڑون
مین اس کا پانی بڑھ جاتا ہی اور گرمیون مین خشک ہو جاتا ہی، شہر کے وسط مین علو معشوق بحتری کا
مکان ہی، یہان میوے، ترکاریان اور نبیذ کی پیداوار کم ہوتی ہے، بجز ان کے جو روم سے آتی
ہین، حلب مین کوئی ویران جگہ نہین ہی، ہم حلب سے انطاکیہ کو روانہ ہوے، اور حلب اور انطاکیہ
مین صرف ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہی، ہم نے ایک رومی شہر مین[2] جسکا نام عم ہے رات
بسر کی، اس شہر مین ایک نہر ہے جس مین مچھلی کا شکار کیا جاتا ہے، اور اس مین ایک پن چکی چلتی
ہے، اس شہر مین سورون، بدکار عورتون، زنا اور شرابون کی نہایت کثرت[3] ہی، اس مین
چار گرجے ہین اور ایک جامع مسجد جس مین خفیہ طور پر اذان دیجاتی ہے[4]، حلب اور انطاکیہ
کے درمیان جو مسافت ہی اس مین کوئی غیر آباد جگہ نہین ہی، صرف زیتون کے درختون کے
پہلو مین جو اور گیہون کے کھیت ہین، اس کے گانون باہم ملے جلے ہوئے ہین، اس کے باغات
سرسبز و شاداب ہین، اس مین خوب پانی جاری ہی، انطاکیہ ایک عظیم الشان شہر ہے، اس کے
چارون طرف چار دیواری اور ایک فصیل ہے، اس کی چار دیواری پر تین سو ساٹھ برج ہین،
جس پر باری باری چار ہزار پہرہ دار گھومتے رہتے ہین، یہ لوگ قسطنطنیہ کے بارگاہ شاہی سے
روانہ کئے جاتے ہین اور ایک سال تک شہر کی حفاظت کرتے ہین، اور دوسرے سال انکا
تبادلہ ہو جاتا ہے، شہر کی شکل نصف دائرہ کے مثل ہے، جس کا قطر ایک پہاڑ سے ملا ہوا
ہے، چار دیواریان پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئی ہین، اور ایک دائرہ کی صورت اختیار کر لی ہے،

[1] کیونکہ اس وقت شام کے ملک کا بڑا حصہ مصر کے اسماعیلی بادشاہون کے ہاتھ مین تھا۔ [2] رومی یعنی یونان اس وقت شام کے بعض ساحلی مقامات پر قابض تھے۔ [3] اس سے عیسائی ممالک کی اخلاقی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہی۔ [4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی شہرون مین مسلمانون کو مذہبی آزادی حاصل نہین تھی،

چار دیواری کے اندر پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ ہے، جو شہر سے دور ہونے کی بنا پر چھوٹا سا
معلوم ہوتا ہے، یہ پہاڑ سورج کو چھپا لیتا ہے، اس لئے اس شہر مین دوسرے گھنٹے مین
سورج طلوع ہوتا ہے، چار دیواریان جو پہاڑ کے علاوہ ہین ان مین پانچ دروازے ہین
اور ان کے وسط مین قلعہ قسیانی ہے، جو قسیان شاہ یعنی اس بادشاہ کا مکان تھا جس کے
لڑکے کو حواریون کے سردار بطرس نے زندہ کیا تھا، وہ ایک ہیکل ہے جس کا طول سو قدم
اور عرض اسّی قدم ہے اور اس پر ایک گرجا ہے جو ستونون پر قائم ہے، ہیکل کے گرد رواق
بنے ہوئے ہین جسمین جج فیصلہ کے لئے بیٹھتے ہین، اور نحو و لغت کے معلم تعلیم دیتے ہین،
اس گرجے کے ایک دروازہ پر گھڑیون کی پیالی جو متصل رات اور دن مین بارہ گھڑی
بتاتی ہے، اور وہ عجائبات دنیا مین شمار کی جاتی ہے، اس ہیکل کے اوپر پنج منزلہ ہے
اور پانچوین منزل مین حمام، باغ اور عمدہ عمدہ عمارتین ہین، اور اس سے پانی گرتا ہے،
یہان اور بھی بے شمار گرجے ہین، جو سب کے سب زرین نگینون، رنگین شیشون، اور منقش
پتھرون سے بنے ہوئے ہین، شہر مین ایک شفاخانہ ہے جسمین خود بطرک مریضون کی
دیکھ بھال کرتا ہے، اس شہر مین ایسے حمام ہین جنکی لطافت اور پاکیزگی اور کسی شہر کے
حمامون مین نہین پائی جاتی، اسمین خوشبودار لکڑی کا ایندھن استعمال کیا جاتا ہے
اور اس کا پانی ہمیشہ روان رہتا ہے، شہر کے بیرونی حصے مین ایک نہر ہے جو مقلوب
کے نام سے مشہور ہے، جنوب سے شروع ہو کر شمال مین جا کر ختم ہو گئی ہے، اور وہ نہر عیسی
کے مثل ہے، شہر کے باہر دیر سمعان ہے، اور وہ تقریباً خلیفہ کا آدھا گھر ہے، جسمین سیاحون
کی مہمان نوازی کیجاتی ہے، بیان کیا جاتا ہے، کہ اس کی سالانہ آمدنی چار لاکھ دینار ہے،
یہین سے جبل لکام پر چڑھا جاتا ہے، اس پہاڑ پر اس قدر گرجے، صومعے، باغات، چشمے

نہر مین زاہد، سیاح، صبح کے وقت بجنے والے ناقوس اور نماز کی خوش الحانیان دیکھتے
اور سنتے مین آتی ہین کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ جنت مین ہے، انطاکیہ مین ایک
شیخ ہے جس کا نام ابو نصر بن عطار ہے، وہ شہر کا قاضی القضاۃ ہے، اور علوم مین
اس کو کافی دستگاہ حاصل ہے،

مین انطاکیہ سے نکل کر لاذقیہ کو روانہ ہوا، وہ ایک یونانی شہر ہے، اور اسمین بندرگاہ،
تماشاخانہ اور گھوڑون کے لئے ایک گول میدان ہے، اس مین ایک بتخانہ تھا جو اب
گرجا ہے، لیکن ابتدائے اسلام مین وہ ایک مسجد تھا[1]، اسمین مسلمانون کا ایک قاضی اور
ایک جامع مسجد ہے، اور پانچون وقت اس مین اذان دیجاتی ہے، اور رومیون کی یہ
عادت ہے کہ جب اذان سنتے ہین تو ناقوس بجاتے ہین[2]، یہان مسلمانون کا جو قاضی
ہے، وہ رومیون کی جانب سے مقرر کیا گیا ہے، اس شہر کے عجائبات مین سے ایک
عجیب بات یہ ہے، کہ محتسب[3] قحبہ عورتون اور روم کے عیاشون کو ایک حلقہ مین جمع
کر کے نیلامی بولی بولتا ہے، اور یہ بدکار لوگ خوب بڑھ بڑھ کے بولی بولتے ہین،
تاکہ ان کے ساتھ ایک رات بسر کرین، پھر انکو ہوٹلون مین لیجاتے ہین، جو مسافرون
کے قیام کی جگہ ہین، لیکن اس سے پہلے ان مین ہر بدکار عورت پادری کی انگوٹھی لیتی
ہے تاکہ اس کے ساتھ مین ایک دستاویز ہو اور والی اس پر گرفت نہ کر سکے، کیونکہ
وہ جب کسی زانی کو کسی زانیہ کے ساتھ بغیر پادری کی انگوٹھی کے پاجاتا ہے تو اس پر

[1] یہی عیسائی ہین جو ہم پر بت خانون اور دوسری قومون کی عبادت گاہون کے ڈھانے کا الزام
لگاتے ہین، اور خود مسجد کو گرجا بنا لیتے ہین، [2] کیا مذہبی اشتعال کا یہ طریقہ کبھی کبھی ہندو انھین عیسائیون
سے سیکھ لیتے ہین؟ [3] برعکس نہند نام زنگی کافور،

جرم قایم کردیتا ہے،

شہر مین راہب اور زاہد اس کثرت سے ہین کہ ان کے حالات اور ان کے
الفاظ جو ان کے ذہن صافی اور عقل روشن سے نکلے ہین، تنگی وقت کی وجہ سے
بیان نہین ہو سکتے[1]،

ابن رضوان کے نام اس نے جو طویل خط لکھا ہے، وہ اگرچہ ایک مناظرانہ تحریر ہے تاہم چونکہ
اس سلسلے مین بہت سے دلچسپ فلسفیانہ مسائل آگئے ہین، اور اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے
کہ تحریری مناظرات مین قدما کا لب ولہجہ کیا تھا؟ اس لئے ہم اس کا ضروری ملخص اس موقع پر
درج کرتے ہین، علامہ جمال الدین قفطی نے خود اس کا بہت سا حصہ حذف کر دیا ہے، اور ہم ان سے
زیادہ اختصار سے کام لین گے، وہ لکھتا ہے کہ،

ہمنے ایک قسم کی برادری، معاہدہ، اور حرمت وعصمت ہے، انصاف کے ساتھ پیش آنا اس کا ادنے
ترین حق ہے، اور اس کا ایک فرض ظلم وعدوان سے بچنا ہے، مجھے شیخ کی جانب سے چند پیغامات پہنچے
ہین، جنکو اگر مین شیخ کے اشتعال آمیز طبیعت پر قیاس کرون تو تقریباً ان کی تصدیق کر سکتا ہون، لیکن
اگر مین اس کے علم کی طرف ان کو منسوب کرون تو ان کو یقینی طور پر جھوٹ سمجھتا ہون، بہرحال مین اس
طرح کے کلام سے چشم پوشی کرنا ضروری سمجھتا ہون، کیونکہ گو وہ اس وقت باطل کی طرف میلان رکھتے

[1] عیسائی دنیا کے اس شرمناک واقعہ کے بعد جسکو خود ان کے ہم مذہب ایک عیسائی نے بیان کیا ہے، ہم پیرس کے
ہوٹلون کو انطاکیہ کے ہوٹلون کی نقل نہ سمجھین تو کیا سمجھین؟ پیرس کے عیاشون نے تو اب تک کوئی مذہبی سند
حاصل نہین کی تھی، لیکن رومی عیاشون نے پادری کی انگوٹھی کی سند بھی حاصل کر لی، کیا اس وقت کے عیسائی پادریون
نے دین کو دنیا کے ہاتھ نہین فروخت کیا تھا، جب یہ ان کے قدما کا حال تھا تو متاخرین کا کیا کہنا،
[2] لیکن باوجود ان زاہدون کے شہر کی اخلاقی حالت کس قدر شرمناک تھی؟

ہین، تاہم مجھے اعتماد ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرین گے، بالخصوص ایسی حالت مین جب کہ مین نے صرف دوستانہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے، آپ کی جانب سے میرے پاس چند مسائل آئے تھے، جن کا مین نے اسی وقت جواب دے دیا، لیکن اسی دوستانہ کے قائم رکھنے کے لیے اب تک مین ان کو نہ بھیج سکا، اس کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ نے مباہلہ کی طور پر فرمایا کہ مین آپ سے ہزار مسئلے پوچھون، اور آپ مجھ سے صرف ایک مسئلہ پوچھین گے، اگر مین اُس کی توضیح کرنا چاہون تو کر سکتا ہون لیکن

قومی هم قتلوا امیم اخی   فاذا رمیت یصیبنی سهمی

میرے بھائی کو خود میری قوم نے مار ڈالا، تو اگر مین اس کے بدلے مین ان پر تیر چلاؤن تو میرا تیر خود مجھکو لگیگا،

میرا عقیدہ ہے کہ جماعت مثل میرے اعضا کے ہے، جو کبھی بیمار ہو جاتے ہین اور کبھی تندرست ہین، بالکل اسی روش پر قائم رہا، یہانتک کہ بعض عظیم الشان اطراف سے مجھے اشارہ ہوا کہ مین اس مضمون کو لکھون، جس کی مخالفت کرنا میرے امکان مین نہین،

یہ مضمون سات فصلون مین ہے،

(۱) پہلی فصل اس بحث مین ہے کہ جو شخص علمار سے ملتا جلتا رہا ہے وہ اس سے افضل ہے جس نے صرف کتاب سے درس حاصل کیا ہے،

(۲) دوسری فصل مین یہ بیان ہے کہ جس نے کتاب سے خراب قسم کا علم حاصل کیا ہے، اس کے شکوک کا حل کرنا دشوار ہے،

(۳) تیسری فصل کا مضمون یہ ہے کہ جس عقل مین محال نہین سمایا ہے، اس کے لیے حق کا ثابت کرنا آسان ہے، بہ نسبت اس شخص کے جس کے دماغ مین محال سرایت کر گیا ہے،

(۴) چوتھی فصل کا حاصل یہ ہے کہ فضلاء کی عادت یہ ہے کہ جب وہ قدمار کی کتابین پڑھتے ہین اور ان مین ان کو تناقض و اختلاف نظر آتا ہے، تو ان سے بدگمان نہین ہو جاتے، بلکہ ہمیشہ بحث و جستجو مین مصروف رہتے ہین،

(۵) پانچوین فصل مین چند مسائل ہین، جو صحیح دلائل و مقدمات سے ثابت ہین، اور برہانی طریقہ سے ان کا جواب بھی مطلوب ہے،

(۶) چھٹی فصل مین اس مضمون پر بحث ہے، جس مین مجھ سے یہ مباہلہ کیا گیا ہے، کہ مین آپ سے ہزار مسئلے پوچھون اور آپ مجھ سے صرف ایک مسئلہ دریافت کرین،

(۷) ساتوین فصل مین آپ کے اس مضمون پر بحث ہے جو نقطہ طبیعیہ کے متعلق ہے، اور اس مین اس تسمیہ کے متعلق اعتراض کے موقع کی تعیین کیگئی ہے،

مین نے معذرت کے ساتھ تعمیل ارشاد کی، لیکن مین آپ کو خدا اور توحید فلاسفہ کی قسم دلاتا ہون کہ جب آپ قلم کی باگ ڈھیلی کرین تو بندے کو سفاہت سے معاف رکھین، اور نفس سوال کا جواب صاف دلی کے ساتھ اس طرح دین کہ ٹھیک بات واضح ہو جائے، ثامسیطوس کہتا ہے کہ حکمار کے دل خدا کے عبادت خانے ہین، اس لئے اس کے عبادت خانون کا پاک رکھنا ضروری ہی، فیثاغورس کا قول ہے کہ عوام سمجھتے ہین کہ خدا صرف عبادت خانون مین رہتا ہے، اس لئے ان عبادت خانون مین اپنے اخلاق کو بہتر بنالیتے ہین، اسی طرح جو لوگ یہ جانتے ہین کہ خدا ہر جگہ ہے، انکو ہر جگہ اپنے اخلاق کو اسی طرح بہتر بنانا چاہئے، جس طرح عوام انکو عبادت خانون مین بناتے ہین،

دوسری فصل اس بات کی وجہ کہ "جو شخص مطلب کو اچھی طرح نہین سمجھتا اس کے شکوک حل نہین ہوتے"، یہ ہے کہ یہ شک قصور علم سے پیدا ہوا ہے، اور علم جس قدر خراب ہوتا ہے اسی قدر شک کو تقویت حاصل ہوتی ہے، اور جس قدر شک قوت پکڑتا ہے اسی قدر علم خراب ہوتا ہے

توعلم کا ضعف شک کو قوت پہونچاتا ہے، اور شک کی قوت علم کو ضعیف کرتی ہے، یہ دونون چیزین باہم
ایک دوسرے کی علت بھی ہین، اور معلول بھی جس طرح سودا، کہ وہ خیالات فاسدہ کا سبب ہی لیکن
خود خیالات فاسدہ سے اخلاط مین احتراق پیدا ہوتا ہے، اور وہ سودا کی طرف مستحیل ہو جاتے ہین،
اور سودا جس قدر قوت پکڑتا ہے خیالات کو خراب کرتا ہے، اور خیالات جس قدر خراب ہوتے ہین،
سودا کو اسی قدر قوت حاصل ہوتی ہے، اور چونکہ جن لوگون کے خیالات خراب ہوتے ہین، وہ اس
خرابی کو محسوس نہین کر سکتے، اس لئے اُن کا مرض جلد زائل نہین ہوتا، جس طرح کتے کا کاٹا ہوا
آدمی سمجھتا ہے کہ پانی اسکو مار ڈالے گا، حالانکہ پانی ہی اس کی زندگی کا سبب ہے، اور جس قدر وہ پانی
سے پرہیز کریگا اسی قدر اس کی ہلاکت ہوگی، یہی وہ لاعلاج مرض ہے، جس کے علاج سے اطبا عاجز
ہین، بعینہ اسی طرح جو لوگ ضعیف رایون کو صحیح سمجھتے ہین، وہ یہ نہین محسوس کرتے کہ یہ رائے اچھی نہین
اور حقیقۃً اس کی علت تلاش کرتے ہین لیکن چونکہ ان کو اپنے قصور علم کا علم نہین، اس لئے علما ان کے
شکوک کو زائل نہین کر سکتے، اور بجز ذات خداوندی کے لطف و کرم اس کے لئے شفا کی امید نہین،
آرا، فاسدہ اسی طرح پیدا ہوتی ہین، اور جو لوگ حقیقت سے دور ہین، اسی طرح ان کو قبول
کرتے ہین، اور جو لوگ کاہل اور عیش پسند ہین، اسی طرح ان کی تقلید کرتے ہین، رفتہ رفتہ ان کو یہ
محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہی نیچر اور فطرت ہے، تو وہ اس سے مانوس ہو جاتے ہین، اور انھین کی
بنیاد پر ان کی نشو و نما ہوتی ہے، اور عادت کی وجہ سے اس کا چھوڑنا پسند نہین کرتے، اور اس کی
طرف بڑھتے ہین، اور علوم صحیحہ سمجھ کر اس کے لئے تعصب کا اظہار کرتے ہین، اس طرح ایک عقلی وبا
پھیل جاتی ہے، اور ذہین طبیعتین مرجاتی ہین، جس طرح آب و ہوا کی خرابی سے اجسام کو موت آجاتی
ہے، ارسطو کہتا ہے، کہ جاہل انسان مردہ ہے، جاہل بنا ہوا یا بنایا ہوا آدمی مریض ہے، اور عالم زندہ
اور تندرست ہے، اب یہ ثابت ہو گیا کہ جو کتابون سے خراب علم حاصل کرتا ہے، اس کے شکوک کا حل

کرنا مشکل ہے، اور ہم یہی ثابت کرنا چاہتے تھے،

چوتھی فصل، فضلار کی عادت ہے کہ جب وہ قدمار کی کتابین پڑھتے ہین، تو ان کے متعلق
یقینی طور پر جب تک کہ اصل حقیقت کو معلوم نہ کرلین کوئی خیال نہین قایم کرتے، کیونکہ قدمار کی
یہ عادت ہے کہ جب مطالب کے سمجھنے مین انکو رکاوٹ پیش آتی ہے، یا ان مین اختلاف اور تناقض
نظر آتا ہے، تو تلاش و جستجو کی طرف رجوع کرتے ہین، اور جلد بازی کرکے مطلب کو ملیامیٹ نہین
کرتے، جو قوس و قزح چاند کی روشنی سے پیدا ہوتی ہے، ارسطو نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کی رصد مین
صرف کیا، لیکن وہ اسکو صرف دو بار نظر آئی، انقباض نبض کے بعد جو سکون پیدا ہوتا ہے، جالینوس نے
سالہا سال مین اس کا پتہ پایا، ہمارے شیخ ابو الفرج عبد اللہ بن طیب نے ۲۰ سال تفسیر مابعد الطبیعۃ
مین صرف کئے، اور اس کے غور و فکر مین ایسا بیمار ہوا کہ قریب بہ ہلاکت ہو گیا، ان مین ہر ایک نے طلب علم
مین اپنی عمر صرف کردی، اور جو بات انکو بالفعل حاصل ہے وہ اس سے زیادہ ہے جو ابھی تک قوت
سے فعل مین نہین آئی ہے، اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارا القوی ہمارے فعل سے زائد ہے، با این ہمہ
ہم ہمیشہ ان پر طعن کرتے رہتے ہین، احق ہم پر ہنستا ہے، اور ہم نے اپنے اندر کی بہترین چیز کو کھو دیا ہے
اس لئے ہر عالم پر حیوان سے کم رتبہ ہے، یہ فرض ہے کہ جب ان کے اقوال کو باہم متناقض دیکھے،
ان کی نسبت بغیر کامل اعتماد کے کوئی قطعی رائے نہ قایم کرے، مثلاً جب ہم یہ دیکھین کہ ارسطو کتاب السماء
مین لکھتا ہے، کہ ستارون کی طبیعت پانچوین طبیعت ہے، جو نہ پیدا ہوئی ہے، نہ فنا ہوگی، لیکن
کتاب الحیوان مین اس کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند کی طبیعت عناصر اربعہ سے ہے، تو ہم کو
جلد بازی کے ساتھ یہ نہ کہدینا چاہئے کہ اس نے خود اپنی تردید کی اور اپنی رائے اور اپنے مذہب
کو بھول گیا، اسی طرح جب ہم یہ دیکھین کہ وہ بقاء عقل ہیولانی کے متعلق ایک ایسی بات کہتا ہے جو
مابعد الطبیعۃ مین اس کے قول کے منافی ہے، تو ہمکو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے اس طرز عمل کی

دو حیثیتین ہین، ایک حیثیت نہین ہے، کیونکہ ارسطو ہی نے ہم کو نقیض کے شرائط سکھائے ہین، ان انکی
کے متعلق جو اس دنیا مین روشن ستارون کے قایم مقام ہین، اور ہماری نگاہون کو ان کی نگاہون
کے ساتھ وہی نسبت ہے جو دن کی روشنی مین چمگادڑ کی آنکھ کو گدھون کی آنکھ کے ساتھ ہوتی ہے،
جناب کا خیال بھی اسی قسم کا ہے، بالخصوص حنین بن اسحاق کے نسبت کہ خدا نے لوگون کو قدمار کے
علوم اسی کے ذریعہ سے سکھائے، اور لوگ اس کے علمی احسان پر زندگی بسر کر رہے ہین، اس بنا پر
مین جناب کے لئے یہ نہین پسند کرتا کہ آپ واقعہ خارجی کو رد کر دین، اجماع کی مخالفت کرین عقل
جس چیز کی شہادت دیتی ہے، اور دلیل جس چیز کی تصدیق کرتی ہے اسکو جھٹلائین کیونکہ اس مین بہت سی
رسوا کن خرابیان ہین، ایک تو بقراط صاحب فن کے معاہدہ کی عہد شکنی جس نے علما کی تعظیم و تکریم کی
وصیت کی ہے، دوسرے اس شخص کا کفران نعمت اور ناشکری کہ اگر وہ نہ ہوتا تو نہ جناب اور نہ کوئی
اور طب کا ایک لفظ بھی نہ سمجھتا، تیسرے یہ کہ استاد روحانی باپ ہے، اور مین جناب کے لئے باپ
دادون کے حق سے سرتابی کو پسند نہین کرتا، چوتھے یہ کہ جس شخص نے قدما سے چھیڑ چھاڑ کی وہ توفیق
الٰہی سے محروم رہا، اگر جناب غور فرمائین گے تو اس سے آپ کو نصیحت حاصل ہوگی، اس لئے یہ آپ کو
ناگوار نہ ہو، کیونکہ جب دوا کی غایت معلوم ہو جاتی ہے تو اسکی تلخی گوارا ہو جاتی ہے، اہل عرب کا
قول ہے، کہ تمھارا بھائی وہ ہے جو تم کو نصیحت کرے، اور انسان بسا اوقات اپنے دشمنون سے بھی فائدہ
حاصل کر لیتا ہے، ان تمام تصریحات کی بنا پر جناب کا فرض ہے کہ ائمہ فن پر جو عیوب لگاتے ہین اس سے
رجوع کرین، بلکہ درگاہ خداوندی مین اس گناہ سے توبہ کرین، اور اس سے معافی چاہین تاکہ قیامت
مین اس سے مین تو روشن چہرے کے ساتھ ملین، اور نئے نئے اطبا کے دل مین ان معائب کو ڈال کر
ان کو کتب فن کے پڑھنے سے نہ روکین، جو مریضون کی ہلاکت کا باعث ہو،

تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر قدما کی کتابون کا مطلب کسی کی سمجھ مین نہ آئے تو وہ جلد بازی

ساتھ اس کے مذہب کو رد نہ کرے، بلکہ بحث و جستجو مین مصروف ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مفسرین علوم قدیمہ
کو جب اس قسم کے مواقع پیش آئے اور ان کی کتابون مین تناقض و اختلاف نظر آیا تو انھون نے کہا کہ یہ مجاز ہے، کاتب
یا ناقل کی غلطی ہے، یا جس زبان سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اس مین یہ جائز تھا، لیکن جس زبان مین ترجمہ کیا گیا اس مین
جائز نہین، مثلاً ایک ایسا اسم جو یونانیون کی زبان مین نہ مذکر ہے نہ مونث، یا وہ حاشیہ و تعلیق ہے، اصل کتاب مین
شامل نہین ہے، یا یہ کہ ضروری مطلب سے یہ زائد بات ہے جس کو اس نے مبالغۃً لکھدیا ہے، مثلاً بقراط کا یہ قول
"فقار الظہر" کہ فقار خود پیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہین، پھر اس کے ساتھ ظہر یعنی پیٹھ کا لفظ لانا مبالغہ زائد از ضرورت ہے، یا
جیسا کہ شعرا کہتے ہین کہ سفید دودھ، ترتیل، یا وہ بطور جدل و خطابت کے ہے، اور اگر کوئی لفظ مکرر آجاتا ہے تو کہتے
ہین کہ اس نے اسکو تاکیداً استعمال کیا ہے، اور اسمار کے متعلق یونانیون کی جو عبادت ہے اس سے اس پر دلیل
لاتے ہین، مثلاً وہ ہر گرم مرض کو فلغمونی کہتے ہین، اور اگر کتاب مین کوئی ایسی مثال ہو جو ممثل لہ کے مطابق نہ ہو جیسا کہ
کتاب القیاس مین اس قسم کی مثالین پائی جاتی ہین تو کہتے ہین کہ وہ مثالون کی پروا کم کرتا ہے، اور اگر کسی فقیہ مین
کوئی تناقض دیکھتے ہین تو اس کے محمول کو اسم مشترک بنا لیتے ہین، یا یہ کہ نقیض کے جو شرائط ہین اس کو منع کرتے ہین
تاکہ تناقض اٹھ جائے، اور اگر ان کو نظر آتا ہے کہ مصنف نے ضدین مین سے صرف ایک سے بحث کی ہے جیسا کہ ارسطو
نے اسمار مین کیا ہے تو کہتے ہین کہ ایک ضد کو اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ دوسرے ضد کے ذریعہ سے وہ سمجھ مین آجائے
اور اگر تقسیم مین تمام اقسام کا ذکر نہین کیا ہے، تو کہتے ہین کہ اس موقع پر جس قسم کی ضرورت تھی صرف اسی کو بیان کیا ہے
اور اگر صاحب فن ایسے نام کا ذکر کرتا ہے جو اپنے معانی پر دلالت نہین کرتے، جیسا کہ اطبا فم معدہ کو فواد یعنی
دل کہتے ہین تو کہتے ہین کہ قدما کے لیے یہ جائز ہے کہ بعض چیزون کو ان نامون سے یاد کرین جنمین باہم شرکت
تعلق یا مشابہت پائی جاتی ہے، اور اگر مصنف شروع کتاب مین کسی بات کو مکرر بیان کرتا ہے تو کہتے ہین کہ
چونکہ اس نے شرح مین طوالت اختیار کی ہے، اس لیے ایک بات کو دوہرا دیا ہے تاکہ کلام مین ربط پیدا ہو جائے
جیسا کہ ایساغوجی مین اس قسم کی تکرار پائی جاتی ہے، اور اگر یہ تکرار آخر کتاب مین ہوتی ہے تو کہتے ہین کہ اسکو

بطور نتیجہ و خلاصہ کے دوبارہ بیان کر دیا ہے،

پانچوین فصل، ان مختلف مسائل کے بیان مین جو براہین صحیحہ اور مقدمات صادقہ سے ثابت ہین اُن کا جواب برہانی طریقہ سے مطلوب ہے،

دوسرا مسئلہ، یہ کیا بات ہے کہ انسان بعض اوقات پیشاب کو ضبط کر کے سوجاتا ہے، اور اس کو خواب مین نظر آتا ہے کہ وہ پیشاب کر رہا ہے، لیکن وہ درحقیقت پیشاب نہین کرتا، لیکن جب اٹھتا ہے تو فوراً پیشاب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اسکو پیشاب کرنا پڑتا ہے، لیکن یہی انسان خواب مین دیکھتا ہے کہ وہ جماع کر رہا ہے اور اس وقت اس سے ضبط نہین ہوسکتا یہانتک کہ اٹھتا ہے تو اس کا کپڑا تر ہوتا ہے، مین نہین جانتا کہ کس چیز نے اس گرم پیشاب کو روک لیا؟ اور باوجود کثرت مقدار کے بیدا ہونے تک اس مین رکاوٹ ڈال دی؟ اور منی باوجودیکہ اس کی مقدار کم تھی روان کر دیا اور بیدار ہونے تک کی فرصت نہ دی، حالانکہ یہ دونون مادے فضلہ ہین، یہ مسئلہ اگرچہ معمولی ہے، لیکن فن طب کے جاننے والون کے لیے مفید ہین اور ہم نے اسکو اپنی کتاب مسعود الطبیہ مین بیان کیا ہے،

چوتھا مسئلہ، فلسفۂ الٰہی کی کتابون مین ثابت ہوچکا ہے کہ نفس ناطقہ لازوال اور ابدی ہے، تو اب موت سے اس کے محل کے فنا ہو جانے کے بعد یا تو وہ بذات خود قائم رہیگی یا اپنے محل مین پائی جائے گی؛ یا دوسرے محل مین اس کا وجود ہوگا، لیکن اگر وہ بذات خود قائم ہو، تو لازم آئے گا کہ خدا کے علاوہ ایک اور چیز بھی قائم بالذات ہے، اور اگر اپنے فانی شدہ محل کے ساتھ قائم رہے، حالانکہ اس کی تحلیل عناصر کی صورت مین ہوچکی ہے، تو لازم آئے گا کہ وہ اس سے منفصل بھی ہو اور متصل بھی، اور مردہ زندہ ہو جو محال ہے، اور اگر وہ دوسرے محل کی طرف منتقل ہو تو وہ اس کے مناسب ہوگا یا غیر مناسب، اگر مناسب ہو تو لازم آیگا کہ وہ اس کی طرف مکانی حرکت کرتے، حالانکہ وہ جسم نہین ہے، اور حرکت جسم ہی کی صفت ہے، لیکن اگر وہ اس کے غیر مناسب ہو تو لازم آیگا کہ ہر صورت ہر ہیولیٰ مین حلول کر سکتی ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ ہیولیٰ

کا صورت کے مناسب ہونا ضروری نہین، اور اگر یہ صحیح ہو تو نعوذ باللہ فلسفہ ہی باطل ہو جائے،

چھٹی فصل، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فلسفی نے ایتھنز کے کسی امین کے پاس ایک کپڑا امانت رکھا جو اسکے یہان سے ضائع گیا، فلسفی کو اس کا سخت غم ہوا، لوگون نے اسکو اسپر ملامت کی تو اس نے کہا کہ ایک ابابیل نے کسی قاضی کی کچہری مین گھونسلا لگایا، ایک سانپ آیا اور اس کے بچون کو اٹھالے گیا، اور پرندون نے اسکو تسلی دی لیکن اس کو صبر نہ آیا، اس پر اُسکو ملامت کیگئی تو اس نے کہا کہ مین اس مصیبت پر گریہ و بکا نہین کرتی، روتا ہے تو یہ ہے کہ مجھ پر خود عدالت مین ظلم کیا گیا،

ساتوین فصل، جناب کے اس اعتقاد سے کہ مقناطیس لوہے کو چند خطوط کے ذریعہ سے جو اس کے اندر سے نکلتی ہین، جذب کرتا ہے، لازم آتا ہے کہ جسقدر وہ لوہے کو جذب کریگا اسی قدر اس مین کمی پیدا ہوگی اور لوہے مین اضافہ ہوگا بشرطیکہ ان خطوط مین میل طبعی پایا جائے، اور چونکہ وہ خطوط اجسام طبعی ہین، اسلیے لازم آتا ہے کہ وہ ایک مکان مین ایسی حرکت کرین جو زمانہ مین واقع نہ ہو، اور یہ محال ہے، میرے دل مین ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، جس کو آپ انھی ایک ہزار مسئلہ مین شمار کرین جس کے پوچھنے کی مجھکو اجازت دیگئی ہے، اور وہ یہ کہ لوہا شوقیہ مقناطیس کی طرف کھنچ جاتا ہے؟ یا مقناطیس بجبر و اکراہ اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے، ہم اسکو مشاہدۃً محسوس کرتے ہین، اس لیے ہم کو وہ بداہتہً معلوم ہونا چاہیے، اگر ہم اس سوال کے متعلق حنین صاحب اغلاط کثیرہ کی طرف رجوع نہ کرین تو حیران و سرگردان رہین گے،

مضمون کی ایک فصل سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جناب کو اشتعال آگیا ہے، غصہ تیز ہوگیا ہے، لعاب دہن خشک ہوگیا ہے، رگین پھول گئی ہین، شور و غل کے ساتھ مجھے گالیان دینا شروع کی ہین، اور میرے نام کی طرف اشارہ کیا ہے، اور میرے متعلق ہم فنی کے حق و حرمت کا لحاظ نہین رکھا ہے، مجھکو غبی بنایا ہے، اور یہ قطعی فیصلہ کیا ہے کہ مین نے قدما کے علوم کو بالکل نہین پڑھا ہے، اور لکھا ہے کہ اگر مین نے ان علوم کو پڑھا ہوتا تو مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ابن بکش نے جو مشائخ اطبا مین داخل ہے، اپنے کناش مین لکھا ہے کہ قلب کے اندر ایک نقطہ ہے جس سے

زندگی پیدا ہوکر تمام بدن مین ساری ہوجاتی ہے، مین کہتا ہون کہ جناب نے حسب عادت اس موقع پر بھی جلد بازی کی ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ ابن بکتش کتابون کا مترجم اور طب کا معلم ہے، اور آپ کو یہ معلوم نہین کہ یہ ایک اندھے کا بیٹا ہے، شراب پیتا ہے اور بدمست رہتا ہے، ابن الخمار نے اطبار کے امتحان کے متعلق جو مضمون لکھا ہے اس مین اس کے متعلق کہا ہے کہ بغداد مین اب طب کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ جو شخص ایک اندھے کو دو مہینہ تک راستہ دکھاتا ہوا چلے اور ایک دکان کھول لے، وہ طبیب ہو سکتا ہے، یہ ابن بکتش شفاخانے سے بالکل الگ ہے، اور لوگ تین باتون کی وجہ سے اس کے طب سے محترز رہتے ہین، ایک تو یہ کہ دائمی شراب نوشی سے اوسکی عقل مین فتور آگیا ہے، دوسرے یہ کہ ہاتھ کے رعشہ کیوجہ سے وہ نبض ٹھیک طور پر نہین دیکھ سکتا، تیسرے یہ کہ قارورہ تک اس کی نگاہ نہین پہنچتی، حنین کے مسائل پر اسی نے شکوک کئے ہین، اور یہی شکوک جناب کو بھی مل گئے ہین، جناب کو اگرچہ اس کی کنکاش سے نہایت دل آویزی ہے، تاہم مین آپ کو اس کا جہل بتانا چاہتا ہون وہ کہتا ہے کہ مرد کے جسم مین ایک پسلی عورت سے کم ہوتی ہے، لیکن اس کو یہ معلوم نہین ہے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو وہ صرف حضرت آدم علیہ السّلام سے تعلق رکھتی ہے، تمام انسانون سے اسکو تعلق نہین ہے۔

القضاء فی الاسلام

از مولانا عبد السّلام صاحب ندوی

اردو مین جدید موضوع پر ایک پر از معلومات رسالہ جس مین طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے اسلامی اصول و قوانین کی تشریح کیگئی ہے، ضخامت ۹۲ صفحے،

قیمت ۱۲ر "منیجر"

لاادریت

یعنی

فلسفۂ تشکیک

اور

جناب میر محمد تقی میر کے شاعرانہ خیالات

از جناب سید مقبول حسین صاحب احمد پوری بی اے،

یہ دو ہی صورتین ہین، یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئینہ ہے اس یار خود نما کا (میر)

زمین و آسمان کے وجود پر غور و فکر کرنے والے، دن اور رات کی تبدیلیون سے کسی آئندہ واقعے کی نشانی لینے والے، تاریخی نگاہون سے جذباتِ انسانی کے ارتقار اور وجود "عقل" کا پتہ چلانے والے اور پھر باوجود داعیِ عقل ہونے کے گرویدہ جذبات ہوکر مذہب کے اٹل قوانین مین پناہ لینے والے اگر ذرا غور کرکے خیال کرین تو معلوم ہوگا کہ "عقل وسمجھ" پر انسان فطرۃً کوئی دعوے رکھنے کا حق نہین رکھتا، بنی آدم مین جذبات کی طرح عقل کو کوئی اہمیت نہین، البتہ عقل کو "تجربے" کے معنی مین لیکر انسان کو عاقل کہین تو زیادہ مناسب ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ابتدا مین انسان مظاہرِ قدرت کی جلالی و جمالی کیفیات پر شیدا تھا، رعد کی گرج اس کے دل کو رعب و ہیبت مین ڈالکر اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ ان مظاہر کو کسی "خدا" کی طرف منسوب

کرے، اور چونکہ ایسی کیفیتون کا تجربہ ہر موسم مین ہوا کرتا تھا اس لیے رعب و ہیبت کے جذبات اس احساس کو تجربے سے پختہ کرکے حاکم کائنات کا خیال بھی پختہ کر دیتے تھے، وہ ان کیفیات کو "اندر" کا مقدس نام دیکر ان کی پرستش بھی کرنے لگتا تھا، اب چونکہ اپنی معاشرت کے علاوہ تجربے کی کوئی اور مثال مہیا نہین ہوسکتی اسلیے بجلی "اندر" کا نیزہ سمجھی گئی، اسی طرح نیچر کے جمالی کرشمے بھی زندگی کے دلفریب پہلوؤن سے مطابق کر لیے گئے، اور انسان داعیٔ عقل بنگیا اور دنیا مین تہذیب کا وجود ہوگیا، یہ دوسری بات ہے کہ کسی زمانے کی تہذیب مین "انا الحق" کہنے والے پیدا ہون اور کسی زمانے کے لوگ اپنے وجود کا پتہ محض تیخیر ماؤن یا کپڑے مکوڑون مین لگائین ؎ ع

"فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"

دنیا مین جتنے بڑے بڑے فلسفی، ریاضی دان اور اہل سائنس ہوئے ہین، سب نے اپنے کمال اور علمی تجربات کی انتہا پر پہنچ کر یہی کہا ہے کہ ابھی ہم تحقیق وتلاش کی سیڑھی پر ہین، منزلِ مقصود کا تو کہین نشان وگمان تک نہین، بلکہ یہ بھی نہین معلوم کہ آیا ہم منزلِ مقصود کے صحیح راستے پر ہین یا نہین اور اکثر تحقیقین بالکل اچانک ہوگئی ہین، یعنی خیال کچھ کیا اور ہو کچھ گیا، گرامو فون کی ایجاد، برق کا شعلے کی صورت مین حاصل ہونا، فوٹو اور عہد جدید کے دوسرے نہایت ہی حیرت انگیز کرشمے کسی شخص کی عقل کارفرمائیون کا نتیجہ نہین بلکہ دوسرے نصب العین کی تلاش مین سلسلۂ تجربات کی درمیانی گرفت یا اتفاقیہ تحقیقات کا نتیجہ ہین، زہے قسمت ع،

"گئے تھے آگ کو لینے پیمبری پائی"

بس سچے فلسفی وہی ہین جو نظامِ عالم کے حیرت انگیز وجود پر غور و فکر کرنے اور تجربات کی کسوٹی پر اپنے افکار کو آزمانے کے بعد یہ کہتے ہین کہ کسی چیز کی "علتِ اولیٰ" کی تحقیق دماغی قوت کی دسترس سے باہر ہے، جب یہ بات ہے تو "علتِ اولیٰ" تک تجربات کی انتہا یعنی عقل کب پہنچ سکتی ہے، وہان تو صرف "لا احصیٰ" اور "لا ادریت" کا فلسفہ اپنے مفہوم کے سچے معنی کا مصداق ہوسکتا ہے، خسرو

اے زخیالِ ما برون در تو خیال کے رسد

با صفتِ تو عقل را لافِ کمال کے رسد

بس معلوم ہوا کہ دنیا مین اگر کوئی فلسفہ اپنے نام نہاد مفہوم پر فلسفہ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو یہی فلسفۂ تشکیک[۲] ہے، فلاسفہ جرمنی مین کینٹ، عربون مین ابن رشد اور قدیم ہندوستان مین کپل وغیرہ نے متفق اللفظ ہوکر کہا کہ جو چیزین ہمارے تجربہ مین نہ آسکتی ہون ان پر تخیل آزمائی کرنا شاعری کرنے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، مثلاً خدا کے وجود اور ما فوق الادراک مسائل مین دخل دینا،

کینٹ نے نہایت بے تکلفی سے لکھا ہے کہ

"عقل انسانی اپنے احاطۂ ادراک کے ایک پہلو مین ان مسائل کو غور کرنے پر مجبور کیجاتی ہے جو فطری طور پر خود بخود درپیش ہو جاتے ہین، لیکن ان پر کوئی قابلِ اطمینان رائے قائم کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ ان کی گرفت دماغ کی ہر قوت سے پرے ہوتی ہے، اور یہ دقت عقل کی کسی تقصیر کا نتیجہ نہین ہوتی، بلکہ عقل (تجربہ کرکے) ابتدائی اصولون کی روشنی مین آگے بڑھنا شروع ہوتی ہے، کیونکہ تجربے کی آب وہوا مین یہ (ابتدائی اصول) بہت ضروری ہین اور ان کی صداقت وکفایت تجربے سے ہی بہم پہنچتی ہے، ان ابتدائی اصول سے ہم قسم قوانین کی ماتحتی مین عقل آگے بڑھنا شروع ہوتی ہے، (یہانتک کہ اسکو) زیادہ بلند مسئلہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اس طرح عقل کی تمام کوششین ہمیشہ ناتمام رہتی ہین، کیونکہ نئے مسائل کا پیدا ہونا رک نہین سکتا اس لیے عقل کو مجبوراً انھین اصول کی پابندی اختیار کرنا پڑتی

---

[۱] ڈارون "ORIGIN OF SPICIES"

[۲] ہکسلے "Method and Results" کے Agnosticism

ہے جو تجربون کی پہنچ سے بالاتر ہین اور جو عقل عامہ مین بغیر کسی تشکیک کے اٹل سمجھے جاتے ہین[1] (مثلاً فوق الفطرۃ اسرار جنکی نمایان مثال مذہبی اصول ہین) "عقل" کے مفہوم کی یہ وہی تفسیر ہے جس کو غالب نے اپنے ٹھوس فلسفے مین سمیٹ کر ایک مصرعے مین کس قدر اختلاف سے ظاہر کیا ہے کہ ع

"عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے"

پس چونکہ عقل علم کی ماتحت تھی اور علم بغیر تجربے کے ناممکن تھا اس لیے خدا کی ذات اور مذہب کی غرض و غایت کا ذکر کرنے سے کینٹ نے انکار کر دیا، اور کہدیا کہ اگر مین ایسا کرون گا تو حوادث و تجربات کو بھی مذہب مین داخل کرنا پڑے گا اور ان سے کنہ حقیقت کے راز پر ذرہ برابر بھی روشنی نہین پڑ سکتی ہے اسلیے "مجھے کیا ضرورت کہ علم کو منسوخ کر کے عقیدے کو قائم کرون"[2]

لاادریت یا تشکیک کی بنا اصول اور نظریون کے نہ ختم ہونے والے سلسلے پر مبنی ہے، اس کا خلاصہ "اعتراف لاعلمی" ہے۔ اس پر عمل کرنا "مسئلہ جبر" پر ایمان لانا ہے، اور انسان کو محض جذبات کا بندہ تسلیم کرنا ہے، کیونکہ "اگر انسان کو جذبات پر کوئی قابو ہوتا تو قانونِ جرائم کی ضرورت ہی نہ ہوتی"[3]، عہد ماضی مین لاادریت بذاتِ خود ایک فلسفہ تھا، چنانچہ قدیم ہندوستان کے "فلسفۂ نیائے" مین بھی اس کی جھلک نمایان ہے۔ کینٹ اور ہیوم نے عہد حاضر مین اس کو اہمیت دی، اور ہکسلے نے اس کو علحدہ فلسفے کی صورت مین تسلیم کیا، عہد خلافت عباسیہ مین چونکہ فلسفہ عروج پر تھا اس لیے مسلمانون مین امام رازی اس کے بڑے حامی تھے،

• شاعری اور نظم مین صرف فلسفۂ تشکیک ہی ایک اہم اور مستند حیثیت رکھتا ہے خصوصاً مشرقی شعرا تو مسائل جبر و تشکیک کے بندے ہین، مثلاً ایران مین حافظ، ہندوستان مین کبیر صاحب اور

[1] کینٹ دیباچہ کتاب Critique of Pure Reason - [2] ایضاً،

[3] VOLTAIRE ON CRIMINOLOGY

اردو زبان مین "میر" وغیرہ، ان کا متفقہ مذہب تھا کہ انسان اپنی زندگی کی ضرورتون اور معاشرتی محاسن و معائب کو خالص عقلی نقطۂ نظر سے ثابت نہین کر سکتا، کسی ایک سبب سے مختلف نتائج پیدا ہو جایا کرتے ہین، ایک ہی بات سے کوئی خوش ہوتا ہے کوئی مغموم، کوئی امیدوار ہوتا ہے کوئی مایوس، ایک کے دل مین محبت پیدا ہوتی ہے، دوسرے کے دل مین نفرت، پس معلوم ہوا کہ "لاف از تجربہ" تجربات و مشاہدات کا مجموعہ ہے، عقل اس فطری قانون کے ادراک کا نام ہے، اور یہ استدراک ہر زمانے مین بدلتا رہتا ہے، فلسفۂ تاریخ سے معلوم ہو گا کہ اہل یونان کی "عقل" دماغی تجربون کا نتیجہ تھی اہل روم نے سیاست کو اسی عقل مین ملا کر قوانینِ معاشرت بنائے، اہل مشرق نے اسی "عقل" مین روحانیت کو دخل دیکر چار چاند لگائے اور اہل اسلام نے وحدانیت و تصوف کے پیرایے مین اسکو "ما فوق العقل" سے ملا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جب تک انسان کے جذبات تجربون کے اصول سے مستفید ہوتے رہین گے، اور جب تک اس نام نہاد عقل کا شائبہ بھی جذبات مین شامل رہے گا، اسکو آرزوؤن سے بے نیازی حاصل نہین ہو سکتی،

لیکن نئے مسائل اور آرزوؤنکا پیدا ہونا ہی سائنس کے وجود اور ترقی کا باعث ہے، پس لاادریت کے مفہوم یعنی اعترافِ لاعلمی سے یہ مطلب نہین کہ انسان کو کچھ کرنا ہی نہ چاہیئے، اگر اس نظریے کا پابند ہو کر انسان خود کو مجبور محض سمجھنے لگتا تو آج نہ کہین "تجلی طور" کا نام سنتے نہ "نعرۂ منصور" کی آوازین آتین، جذبات انسانی روحانیت و وحدانیت کی سمجھ تک ترقی نہ کرنے پاتے، اور اب بھی انسان سورج و چاند کی پرستش کرتا نظر آتا، یا یون کہیے کہ انسان ابتک وحشی رہتا جگنو پکڑ پکڑ کر اپنے تاریک غارون کو روشن کرتا، کیونکہ اسکو یہ سمجھ ہی نہ آتی کہ بجلی کو آسمان سے اتار کر بڑے بڑے محلون کو روشن کرے؟ یا لاسلکی لگا کر مریخ سے نامہ و پیام کی کوشش کرے، پس جو نشانیان ہمارے سامنے موجود ہین انپر غور و فکر کرنا ہی انسان کو تمام مخلوق پر شرف دیے ہوے ہے، اور صرف دماغ کی استفہامی خاصیتون کی وجہ سے وہ داعیٔ عقل ہو سکتا ہے، اسی بنا پر قرآن حکیم مین کہا گیا ہے کہ جن چیزون کی نشانیان

سامنے موجود ہین ان پر غور و فکر کرنا انسانی فطرۃ کا تقاضا ہے اور اسی بنا پر انسان "عاقل" بھی کہا گیا ہے، لیکن جن باتون تک عقل رسانہ ہو سکے اور جو ما فوق الادراک ہون ان مین پڑنے سے انسان گھبرا جاتا ہو اور مولانا معنوی کے اس اعتراض کا مصداق ہے کہ ؎

باسبہا از مسبب غافلی   سوے این روپوشہا زان مائلی

غرض غور و فکر کی بنا پر انسان کو قرآن حکیم مین "اولی الالباب" کے لقب سے یاد کیا گیا۔ پس صاحب عقل وہی لوگ ہین جو "یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض" کا مصداق ہو کر تخلیق عالم اور نظام کائنات پر غور اور بہ تقدیس تعجب کی نگاہین ڈالتے ہین، کیونکہ "اختلاف اللیل والنہار" اور تغیرات عالم کے دیگر کرشمے صاحب عقل کے لیے "آیات" یا نشانیان ہین، یعنی دماغی جستجو اور خیال و فکر کی راہ مین مشاہدات و تجربہ کی مشعل ہین، اگر انسان ان سے متحیر ہو کر اپنے جذبات کو کائنات کے "وجود بین" مین محو کر کے تنظیم تخلیق سے ہم آہنگ کر دے تو گویا اس نے انتہائی سکون و مسرت کے راستے کو اگر پایا نہین تو کم از کم دیکھ ضرور لیا، اور اسکی روح کے سامنے حقیقت کی متبسم کرنین کچھ کچھ نمایان ہو گئین، یہی وہ روشنی تھی جو شہزادہ سدھارتھ کے دماغ مین ایک برگد[1] کے نیچے ضو فشان ہوئی، اور یہی وہ سرور ہے جس نے منصور کو انتہاے جذبات تک پہنچا کر آپے سے باہر کر دیا ؎

عام ہے یار کی تجلی میر   خاص موسیٰ و کوہِ طور نہین،

اسی بنا پر صوفیاے کرام نے تصوف کو شریعت سے الگ کر کے طریقت کے لقب سے عام کیا ہے جس کا نصب العین ادراک حقیقت ہے، جس کی ابتدا اعتراف لاعلمی اور لا ادریت ہے اور انتہا فلسفۂ جبر اور مشاہدۂ حقیقت[2] ہے، اس فلسفے کے ابتدائی مدارج پر دنیا کے تمام اہلِ علم اور ائمۂ مذہب گامزن رہے ہے،

[1] گوتم بدھ کو ایک برگد کے درخت کے نیچے نورِ عرفان حاصل ہوا تھا، [2] ذوق ؎
رسائی کچھ نہین دشوار بام تک اسکی   لگا مین زینہ جو اقرارِ نارسائی کا

ہین، لیکن اسلام نے وحدانیت کا داعی ہو کر اسکو انتہاے کمال تک پہنچایا، اور "اکملت لکم دینکم" کا سچا مصداق ہوا، اب چاہے کوئی اسکو محض عام فہم اور سادہ[1] مذہب کہے، یا "بے لبیک کہکر اسکی تعلیم کو پابندِ فطرۃ سمجھکر اپنی معاشرت مین شامل کرے، داعیِ فطرت نے پہلے ہی کہدیا کہ "لکم دینکم ولی دین" یہ حسن سماعت ہے کہ دورِ جدید مین نغمۂ وحدت سننے والے اسلام کو دنیا کے لیے نہایت ضروری[2] اور ترقی پذیر سمجھتے ہوئے زبان سے اقرار کرین مگر دل سے نہ مائل ہون اور اگر ہم بیجا تاریخی حملون سے برگشتہ ہو کر داد خواہی چاہین تو "صم بکم" ہو کر بالکل خاموش ہو جائین، زہے انسانیت، ع

"گوش اگر گوش تو و نالہ اگر نالۂ من"

خیر مذہب تو جیسا کیسا اسلامی لٹریچر کی نسبت تو خیالات بالکل غیر قابل برداشت نظر آتے ہین خصوصاً عہدِ جدید مین غریب اردو جو محض مسلمانانِ ہند ہی نہین بلکہ تمام ہندوستان کی متفقہ زبان ہے خواہ مخواہ ایسے بیجا خیالات کا شکار بنائی گئی ہے، اس غریب کو جہل توہمات کی برچھیون نے ایسا گھائل کر دیا کہ اب ہم شکوے کرتے کرتے بالکل عاجز آ گئے، حسرت ؎

ستم سے وہ نہ باز آئے تو ہمپر بھی ہوا لازم   دلِ مجبور کو خو کردۂ آزار کر لینا

لیکن ہندوستان کی پیاری زبان اردو فلسفہ و تاریخ، آرٹ و سائنس، وغیرہ کی تکمیل مین اپنے ملک کی دوسری زبانون سے پیچھے نہین رہی، یہ کہنا کہ اردو مین بلند خیالی بالکل نہین، نیچریت کا کہین پتہ نہین اور یہ بالکل خط و خال کی مبالغہ آمیز رام کہانی ہے، سراسر ظلم ہے، اس وقت ہم صرف اسکی بلند خیالی کو مدِ نظر رکھکر کچھ مثالین پیش کرینگے وہ بھی اردو نظم سے، کیونکہ نظم زیادہ بدنام کی گئی ہے، اور نظم مین بھی قدیم زمانے کی شاعری مقصود ہے، کیونکہ عہدِ حاضر مین اقبال کے خیالات کا مقابلہ

[1] کارلائل اور ایفنسٹن وغیرہ کہتے ہین کہ اسلام ایک عام فہم اور سادہ (Simple) مذہب ہے؛
[2] K. B. Chuklaut [3] Bernard Shaw

دنیا مین بڑے بڑے نہین کر سکتے، اس لیے ہم نہایت ابتدائی نظم یعنی شعراے متقدمین مین میر صاحب کے کلام کو انتخاب کرتے ہین جنکے زمانے مین اچھی طرح اردو زبان بھی نہ کھلی تھی، لیکن یہ خیال رہے کہ فارسی شاعری کی طرح لاادریت و تصوف پر اردو فلسفۂ خیال بھی مبنی ہے، خصوصًا میر کے کلام مین تشکیک کا عنصر اور تصوف کا خمیر زیادہ ہے، میر ؎

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے
پردہ اٹھا تو لڑیان آنکھین ہماری ہم سے

اگر سچ پوچھیے تو ہر فلسفے کی ابتدا تشکیک ہی سے ہوتی ہے، شاعری کو اگر فلسفے کی عینک سے دیکھیے تو وجدانی کیفیت اور ترنم خیال سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہ نظر آئے گی، اور "نیچر ازم" تو کوئی فلسفہ نہین، بلکہ محض دماغی تفریح کا نتیجہ ہے، کیونکہ اگر معمولی آدمی صبح و شام کی نیرنگیون کو دیکھکر خود بخود گانے لگتا ہے تو ایک عالم اور فلسفی یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ

زمین و آسمان مین اک کرشمہ جان جانان کا
مئے وحدت سے متوالا ہے ہر اک گل گلستان کا

اور چونکہ اردو پر فارسی اثرات زیادہ غالب ہین اسلیے عشق و محبت کی محفل مین گل و بلبل کو نمایان طور پر جگہ دیگئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اردو مین گل و بلبل سے کوئی نظم خالی نہین ؎

باغ مین بلبل و گل بزم مین پروانہ و شمع
بھیس بدلے ہوئے پھرتی ہے محبت میری

لیکن میر صاحب نے جہان کہین فلسفیانہ خیالات ظاہر کئے ہین، وہان گل و بلبل کو بہت کم دخل دیا ہے، لاادریت کے سواے قیصر روم[1] کی طرح میر صاحب نے اپنے فلسفے کو بالکل اعتدال پر رکھا ہے، قیصر مذکور نے اپنی کتاب "محویت خیال"[2] مین لکھا ہے کہ نظام کائنات یا تو کسی زبردست طاقت کے ماتحت ہے یا عناصر کا محض بے ترتیب منظر ہے، اگر یہ قانون کسی حاکم کے ماتحت ہے تو انسان سے بڑھکر کوئی خوش قسمت مخلوق نہین ہو سکتی، اگر اسمین کوئی ترتیب نہین تو انسان کو بے ترتیب نہ ہونا چاہیے، کیونکہ

---

[1] Marcus Aurelius [2] Meditations

اس کی فطرت مین ایک ایسی کیفیت پوشیدہ ہے، جو مخلوقات مین کہین نظر نہین آتی، میر صاحب کے دماغ مین بھی اسی قسم کے (Agnostic) خیالات اپنی جھلک دکھلاتے ہین، اور بمقتضاے پسند عام و معاشرت وقت پھر غائب ہو جاتے ہین، اگر میر صاحب ان پر غور کرتے تو شاید ہمارے لیے ایک باترتیب فلسفہ مہیا ہو جاتا، غرض تخلیق عالم کی نیرنگیون سے متحیر ہو کر میر صاحب فرماتے ہین،

یہ دو ہی صورتین ہین یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئینہ ہے اس یار خود نما کا،

لیکن کائنات کی اس ظاہری نمود مین وہ "حقیقت منتظر" ظاہر نہین، اسلیے میر صاحب فرماتے ہین ؎

کہتے ہین حجاب رخ دلدار ہے ہستی
دیکھین گے اگر یون ہے کہین جان بھی جائے

پھر باوجود اس پوشیدگی کے وہ ہر جگہ موجود ہے، اس طرح اس تضاد سے ایک ایسی تشکیک ظاہر ہوتی ہے، جس کے لیے کوئی موزون نام بھی نہین ملتا، میر ؎

نہ عالم مین ہے نے عالم سے باہر
پہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے،

بقول کینٹ کے اگر تجربے کی روشنی مین عقل حقائق کی ٹوہ لگائے تو اپنی ترقی کے ہر زینے پر ایک نئے راستے کو کھلا ہوا پائے گی، ہان اگر عوام الناس کی طرح غور و فکر کئے بغیر زندگی کے دن کاٹ دیئے جائین تو صرف معمولی معاشرتی باتون تک عقل و تجربے کی دنیا بھی محدود رہے گی، میر ؎

سرسری تم جہان سے گذرے
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا

ہمارے فطری شعور کا تقاضا ہے کہ ہم مخلوقات کے ہر "پیکر تصویر" کو ادراک و عقل کی گرفت مین لانے کی کوشش کرین، ذرہ ذرہ ہم کو مشاہدات و تجربات کے ذرائع کی طرف مدعو کرتا ہے، دنیا بلا شرکت غیر انسانی قبضہ و اقتدار مین کر دیگئی ہے لیکن بغیر غور و فکر کئے ہوئے اسکی کوئی اہمیت نہین، اسلیے یہ ضروری ہے کہ احساس و شعور کی قوتین ترتیب دماغ کے لیے خیالات کا ذخیرہ جمع کرنے مین بھی صرف کیجائین، کیونکہ خود انسان مین ایسے ایسے کرشمے موجود ہین کہ انکی تحقیق ابھی تک ممکن نہین ہو سکی،

اس سب مضمون کو میر صاحب نے شاعری سے آراستہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے ؎

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر　　منھ نظر آتا ہے دیوارون کے بیچ
ہین عناصر کی یہ صورت بازیان　　شعبدے کیا کیا ہین ان چارون کے بیچ

صوفیاے کرام اور فلاسفۂ مغرب کے اعترافِ لاعلمی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ جذبات کے بندے رہ کر اعتقاد و شریعت کے دریوزہ گر ہین، کیونکہ تسکینِ لاعلمی کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ ہونا ضروری ہے، فرض کرو، روشنی کی علتِ اولی دریافت کرنے کے لیے کسی فلسفی نے عقل و تجربے کو دخل دینا شروع کیا، رات، دن، آگ، بجلی، آفتاب، ماہتاب، اور ستارون کی کیفیتین غرض تمام چیزون پر عقل دوڑائی حتی کہ نظامِ کائنات کی تخلیق کے سوال تک پہنچ گیا، اب آگے خیالات کو بڑھنے کے لیے مشاہدات کی مشعل بھی ممکن نہین ہو سکتی، اسکی عقل عاجز ہو جاتی ہے، اور جذبات اس کو آگے نظر نہ آنے والے مناظر سے برگشتہ کر دیتے ہین، خواہ مخواہ فلسفۂ لاادریت کے ماتحت ہو کر جذبات کی تحریک کے ساتھ صرف اعترافِ لاعلمی کے آگے اپنے تمام دماغی ہتھیار ڈال دیتا ہے اور ایک "استفہامی" کیفیت کے ساتھ یہ مشکوک نظریہ پیش کرتا ہے کہ

اک نور گرم جلوہ فلک پر ہے ہر سحر　　کوئی تو ماہ پارہ ہے میر اس رواق مین

خود حضرتِ انسان کی حالت کو لیجئے: "عاقل" ہونے کے باوجود ہمیشہ نئے نئے رنگ بدلا کرتے ہین، ایسی حالت مین کیا فطرتِ انسانی کسی ایسے معیار کا دعویٰ رکھ سکتی ہے جو انسان کو "صاحبِ عقل" ثابت کر سکے؟ وہ تو ہمیشہ امید و بیم، خوشی و غم، اور آس و یاس کی متضاد و مختلف حالتون مین مبتلا رہتا ہے، ان سب باتون پر نظر کر کے مسئلۂ جبر کا دوسرا عنصر یعنی انسان کا بے اختیارِ محض "یا پابندِ جبر" ہونا ظاہر ہے، مشرقی شعرا نے اس خیال کو بہت برتا ہے اور بار بار یہی کہا ہے کہ ظلوم و جہول "انسان گو اپنی عقل پر بہت نازان ہے، لیکن اس کا کوئی کام اس کے ذاتی اختیار و ارادے سے نہین ہوتا، نہ وہ کوئی بات کسی سائنٹفک دلیل سے ثابت کر سکتا ہے، یون اپنے کو ذی عقل سمجھا کرے، میر ؎

پاتے ہین اپنے حال مین مجبور سب کو ہم　　کہنے کو اختیار ہے، پر اختیار کیا

تو پھر آسمان و زمین کے قلابے ملانے، سیرِ مریخ کی ہوا باندھنے، چند مادی مکاشفات پر پھول کر "مسبب الاسباب" کی کُنہِ حقیقت معلوم کرنے کا دعویٰ کرنے اور عاجز آجانے پر دائرۂ ادب سے باہر ہو جانے والے دماغون کا کیا حشر ہوگا، یہ ظاہر ہے کہ جسکو خود اپنی خبر نہ ہو وہ اپنے پیدا کرنے والے تک عقل کو کیونکر رسا کر سکتا ہے، بقول میر ؎

کام کیا آتے ہینگے معلومات　　یہ تو سمجھے نہین کہ کیا ہین ہم

ہان تو پھر کیا ماہرینِ فلسفہ و داعیانِ تصوف کے لیے عقائد و شریعت کے اٹل قوانین ضروری نہین ہین؟ کیا اس لاادریت کے باوجود پردۂ حقیقت کا ایک گوشہ بھی اٹھانے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے؟ بالکل ناممکن، جو خود کو نہ سمجھے وہ دوسرے کو کیا سمجھے گا، میر ؎

لکھے دفتر کتابین کین تصنیف　　پر نہ طالع کا ہم لکھا سمجھے

لیکن اس سے یہ مطلب نہین کہ "کلّ یوم ھو فی شان" کی صفت سے موصوف ہونے والے کو ہماری باطنی آنکھین بھی نہین دیکھ سکتین، بیشک اس تک ہماری ظاہری نگاہین نہین پہنچ سکتین، ہمارے خیال کو رسائی نہین ہو سکتی، ہماری عقل اس کے خیال سے بھی قاصر ہے، تاہم جذبۂ محبت اُس تک ہمین پہنچا سکتا ہے، اور سویدائے قلب پر اس کی تجلّی ہر وقت نمایان ہے، خسرو ؎

ہست بہ تختگاہِ دل جلوۂ قرب روز و شب　　لیک بجلوۂ چنان چشمِ خیال کے رسد

"تختگاہِ دل" کے علاوہ عالمِ ظاہری کی نیرنگیون مین بھی اس کے جلوے نمایان ہین، نگاہ چاہیے، کیونکہ اس کی کوئی خاص صورت نہین، میر ؎ ؎

گر گل ہے، گاہ رنگ نگہے باغ کی ہے بو
آتا نہین نظر وہ طرحدار ایک طرح

البتہ خصوصیاتِ تشکیک کی بنا پر اتنا منہ سے ضرور نکل جاتا ہے کہ۔ میر ؎

وجہ بےگانگی نہین معلوم
تم جہان کے ہو وان کے ہم بھی ہین

اور یہ شاید "کل یوم ھو فی شان" کا اثر ہے یا کوئی اور وجہ ہے کہ ہماری حالت بھی کبھی دنیا مین ایک سی نہین رہتی اور ہمیشہ جذبات کے کرشمے ہم کو اپنا کھلونا بنائے رکھتے ہین، غرض بقول میر صاحب ؎

آن مین کچھ ہین، آن مین کچھ ہین،
تحفۂ روزگار ہم بھی ہین،

لہٰذا ان تبدیل ہونے والی "مختلف النوع" خاصیتون کی وجہ سے ہم کو بھی نظامِ فطرت کی ترتیب کا ایک جزو سمجھنا چاہئے اور اگر فخر ہو تو یہی ایک بات ہمارے لیے مایۂ ناز ہے ؎

ہین مشتِ خاک لیکن جو کچھ ہین میر ہم ہین
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

اس قلبی اطمینان اور فخر کی بنا پر ہم کبھی کبھی آپے سے باہر بھی ہو جاتے ہین اور بے ساختہ منہ سے یہ نکل جاتا ہے کہ میر ؎

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
مین ورنہ وہی خلوتیِ رازِ نہان ہون

اور دل کے بہلانے کے لیے شیطان کی بدعتون، اور نفس کو ڈرانے یا پھسلانے کے لیے دوزخ وجنت کی مثالین قائم کرنا بھی بے جا نہین، انسان ہر حالت مین اشرف المخلوقات ہے، اس لیے میر صاحب کا یہ خیال بھی حقیقت سے خالی نہین کہ ؎

فرشتہ جہان کام کرتا نہ تھا
مری آہ نے برچھیان ماریان

لاادریت کے دو پہلو یعنی اعترافِ لاعلمی اور محویتِ جذبات پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین، اب تیسرا رخ یعنی تجربات کے ذریعے سے مستقبل پر رائے زنی کرنے کا بیان باقی ہے گو یہ رائے زنی بالکل مشکوک سمجھنا چاہیے، اگر مشکوک نہ ہوتی تو لاادریت کے تحت مین اس کا ذکر نہ کیا جاتا، غرض دنیا و

زندگی کی عارضی نمود مین انسان کو بمقتضائے ضروریات یا محویتِ جذبات مین ایسے تجربے حاصل ہو جاتے ہین، کہ ان سے آئندہ باتون پر اظہارِ خیالات کا موقع مل سکے، مثلاً جذبات کی اس کیفیت پر اظہارِ تشکیک میر ؎

ہمین جس جا پہ کل غش آگیا تھا
وہین شاید کہ اُس کا آستان تھا

انھین نامعلوم واقعات اور مستقبل باتون کی بنا پر دل و دماغ مین پوشیدہ مراسلت بھی ہوتی رہتی ہے اور خود بخود ایسی باتین نکل جاتی ہین جو شاعر کا نصب العین نہین ہوتین، نہ انکے اظہار کا وہ ارادہ کرتا ہے، میر ؎

ہستی اپنی ہے بیچ مین پردہ
ہم نہ ہوین تو پھر حجاب کہان

ایسے ہی خیالات پر تکیہ کر کے چند مشکوک سوالات کا تذکرہ کر دینا بھی لازمۂ لاادریت ہے، کیونکہ جب کسی بات کا شک ہوتا ہے تو طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہین، اسی لیے میر صاحب کے منہ سے بھی نکل گیا کہ ؎

کوئی بےگانہ گر نہین موجود
منہ چھپانا یہ کیا ہے پھر ہم سے

اور انھین خیالات کی بنا پر شاعرانہ تعلّی کو بھی دخل دے دیا جاتا ہے، اور شاعر اپنے زعمِ تصوف مین "تنگ ظرفیِ منصور"[1] کو بھول کر کہہ اٹھتا ہے، میر ؎

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہین
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہین

جذباتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ انسان لاادریت کے اس عالم مین پہنچکر ذرا اپنی سمجھ پر ناز بھی کرنے لگے، جیسے کہ موجودہ فلسفی اور ائمۂ سائنس اپنے تحقیق و مکاشفات کے زعم مین خدا کی ہستی کے منکر ہو جاتے ہین، اسی طرح شاعر بھی قوانینِ شریعت پر نوک جھونک کرنے لگتا ہے جو خواہ کتنے ہی صحیح کیون نہ ہون شاعر کے ظرف کی کمی کو ظاہر کرتے ہین، مگر میر صاحب اعتدال سے متجاوز نہین ہوتے ؎

مکے گیا، مدینے گیا، کربلا گیا
جیسا گیا تھا ویسے ہی چل پھر کے آگیا

[1] غالب ؎ قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن / ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہین،

اور چونکہ بظاہر اس شعر مین مسئلہ رج کی تحقیر ہے اس لیے اہل شریعت ان باتون پر بھی اعتراض کا حق رکھتے ہین، پس اگر ایسے خیالات کسی قدر اعتدال کے ساتھ ظاہر کیے جائین تو اہل شریعت کو بھی برا نہ معلوم ہو، مثلاً میر صاحب کا یہ شعر ؎

یاران دیر و کعبہ دونون بلا رہے ہین — اب دیکھین میرا اپنا جانا کدھر بنے ہے

اگر یہ انداز اختیار کیا جائے تو خیالات مین بانکپن اور جذبات تشکیک مین رعنائی پیدا ہو جائیگی، مثلاً یہ شعر ؎

تسبیحین توڑین، خرقہ مصلے پھٹے چلے — کیا جانے خانقاہ مین کیا میر کہہ گئے

اگر اس سے متجاوز ہون تو خیالات فلسفیانہ اور کیف آمیز نہ رہینگے، بلکہ ان مین ظرافت کی جھلک آجائیگی جو محض تفریح طبع کا ذریعہ ہوگی، مثلاً میر ؎

بہر فردوس ہو آدم کو الم کاہے کو — وقف اولاد ہے وہ باغ تو غم کاہی کو

میر صاحب نے مذہب، قرآن، اور شریعت وغیرہ کے اشارے بھی شاعری مین شاذ و نادر کیے ہین، عمر خیام اور سودا کے اشعار کی طرح میر صاحب کی شاعری علماے دین کی نظرون مین "خوبصورت ناگن" نہین کہ زہر اگلے بلکہ میر صاحب کے دلخراش نشتر مجروحان الفت کو اور بھی زیادہ مجروح کرکے وارستہ و بے اختیار کر دیتے ہین،

لیکن فلسفۂ لاادریت کی کسوٹی پر اگر شاعر کے وہ خیالات آزمائے جائین جو آئندہ واقعات سے نسبت رکھتے ہین تو معلوم ہوگا کہ میر صاحب نے چند اشعار مین براؤننگ[1] ایسے مغربی شعرا کے تمام فلسفے کو ادا کر دیا، ایسے اشعار پڑھنے کے بعد نظم "ربی بن عذرا"[2] میر کے چند اشعار کی تفسیر معلوم

۱؎ Browning

۲؎ Rabbi ben Ezra

ہوتی ہے، براؤننگ کا فلسفہ صرف اس ایک خیال مین تمام ہو جاتا ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی ارتقاے انسانیت کے راستے مین صرف ایک منزل یا پڑاؤ کی طرح ہے، یہ دنیا آیندہ زندگی کی تیاری کرنے کے لیے مثل ایک اسکول کے قائم کی گئی ہے "الدنیا مزرعة الآخرة" ہے اور یہ کہ آئندہ زندگی مین ہماری عقل اسقدر محدود نہ ہوگی کیونکہ اس زندگی کے حدود[1] زیادہ وسیع ہو جائین گے، غرض دنیا ازل سے ابد تک سفر کرنے والے مسافر کی راہ مین ایک منزل یا پڑاؤ سے زیادہ وقعت نہین رکھتی، اسی خیال کو میر صاحب کیا ہی سادے الفاظ مین ظاہر کرتے ہین، یہ شعر تو نظم "ربی بن عذرا" کی پیشانی پر لکھنے کے قابل ہے ؎

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلین گے دم لیکر

اور اس خیال کو سمجھا بجھا کر بیان کیا ہے تاکہ اسکی اہمیت اہل نظر کے خیالات مین استقلال کی صورت اختیار کر سکے، میر ؎

وقفۂ مرگ اب ضروری ہے — راہ طے کرتے تھک گئے ہین ہم

کون پہنچے ہے بات کی تہ کو — ایک مدت سے بک رہے ہین ہم

یہ اشعار پڑھنے سے اردو شعرا کی نسبت یہ شکایت بھی رفع ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی بات سوچ سمجھ کر نہین کہتے اور اگر حقائق ان کی زبان سے ظاہر ہو جاتے ہین تو محض بیساختگی اور وارفتگی مین، مگر متذکرۂ بالا اشعار سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے بخوبی سوچ سمجھ کر یہ خیالات ظاہر کیے ہان یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ غریب میر کے زمانے مین لوگ ایسے خیالات کے اہل نہ تھے، لیکن اہل علم اور بلند خیال لوگ ہمیشہ ستایش و صلے سے مستغنی رہتے ہین، ان کی طبیعت ان کو مجبور کرتی ہے کہ ایسے خیالات کو ظاہر کرین، مبارک ہے وہ قوم جسمین ایسی اعلیٰ خیال ہستیان پیدا ہوئی ہون، لیکن وہ قوم اور بھی زیادہ مبارک ہے جو اپنے باکمال افراد کی قدر کرے، بقول امیر مینائی مرحوم ؎

۱؎ Limitations

لطفِ حسرت کی نگاہون کا تو جب تھا کہ آئیمر ان نگاہون کا کوئی چاہنے والا ہوتا

غرض میر نے اپنی کمسنی اردو زبان مین جس طرح بن پڑا نہایت نزاکت اور بھولے پن سے فلسفۂ لاادریت کو بغیر یہ خیال کیے ہوئے کہ آئندہ زمانے مین اس قسم کے خیالات بذاتِ خود فلسفے کا ایک اسکول یا مذہب ہو جائین گے ظاہر کر دیا، شاید میر کی اسی قابلیت پر ناسخ نے کہا تھا کہ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہین ہے" اور غالب نے اس کی تصدیق کی تھی میر صاحب اپنے زمانے کی معاشرت سے مجبور تھے، اس لیے ان کے جوہر زیادہ کھلنے نہ پائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ذاتی خیالات بہت مشکل سے چھ دیوانون کے ضخیم دفترون مین منتخب کیے جا سکتے ہین، اگرچہ اس قسم کے بلند خیالات پر اشعار بکثرت موجود ہین، لیکن ان کی چھان بین کرنے مین کافی دماغی ورزش کرنے کی ضرورت ہے، لاادریت میر کا معیارِ کلام ہے، کیونکہ ان کا ہر شعر جذبات مین ڈوبا ہوتا ہے، اور جذبات سے خواہ مخواہ انسان کے خیالات مافوق الادراک چیزون کی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً، میر ؎

پھرتا ہے زندگی کے لیے آہ خوار کیا اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا

اور عشق و عاشقی کے پیرایہ مین بھی یہی رنگ ظاہر کیا گیا ہے، مثلاً ؎

آوارگانِ عشق کا پوچھا جو مین نشان مشتِ غبار لیکے صبا نے اڑا دیا

کیا کسی زبان کا شاعر ذیل کے اشعار کی طرح دردناک انداز مین حقیقتِ خیالات پر روشنی ڈال کر عبرت کی تفسیر اس آراستگی سے بیان کر سکتا ہے؟ میر ؎

سحر گوشِ گل مین کہا مین نے جا کر کھلے بند دن مرغِ سحر سے ملا کر

لگا کہنے فرصت ہے یان اک تبسم سو وہ بھی گریبان مین منہ چھپا کر

لہ غالب۔ غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہین"

صرف ان خیالات اور ایسے جذبات کی بنا پر میر کو اردو شاعری کا بانی مبانی کہنا بیجا نہ ہوگا، وہ شعر نہین کہتے تھے بلکہ اپنا دل نکال کر سامعین کے سامنے رکھ دیتے تھے، میر ؎

یا روئے یا رلایا اپنی تو یونہی گذری کیا ذکر ہم صفیر و یارانِ شادمان کا

اپنے زمانے کے اردو شعرا سے میر کے خیالات کہین بالاتر تھے، ان کا فلسفہ عہدِ جدید کے لاادری یا تشکیکی (Sceptic) خیالات پر نمایان طور پر مبنی تھا، غالب نے میر سے بہت کچھ حاصل کیا جس کا اعتراف بھی جابجا کر دیا ہے، غالب اور میر کے فلسفے مین صرف فرق اتنا ہے کہ میر کے کلام مین جذبات کی آمیزش زیادہ ہے، الفاظ سادے اور زبان روان ہے، اندازِ بیان نہایت نازک اور پیارا ہے، غالب نے فلسفے کو استعارون مین لپیٹ کر کسی قدر پیچیدہ کر دیا ہے، خیال آفرینی کے ساتھ ساتھ ان کی ترکیب مشکل اور زبان مین فارسیت زیادہ ہے، اندازِ بیان مین رعنائی کے ساتھ ساتھ کہین کہین بانکپن کی بھی جھلک پائی جاتی ہے، فلسفے کے اعتبار سے دونون مین لاادریت اور تشکیک کی کوئی انتہا نہین، اگر کلامِ غالب کا انتخاب نہ ہو گیا ہوتا تو میر کی طرح ان کی بھی خوبیان بہت کچھ پوشیدہ رہتین، جس کا اعتراف غالب نے خود کیا ہے کہ

"شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے"

المختصر میر نے غالب سے کہین زیادہ اسرار و حقائق ظاہر کیے ہین اور باوجود اس بلند خیالی کے عقلِ انسانی کی کوتاہی کا یقین رکھتے ہوئے جگہ جگہ اعترافِ لاعلمی بھی کیا ہے کہ ؎

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے

سو بھی اک عمر مین ہوا معلوم

لہ مثلاً غالب کا یہ شعر ؎

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایکدن ورنہ ہم چھیڑین گے رکھ کر عذرِ مستی ایکدن

محاکات اور فطری تشبیہین

دقیقی، فرخی، منوچہری، امیر خسرو اور قاآنی

از

مولوی عبد القوی صاحب فانی ایم، اے لکھنؤ یونیورسٹی،

شعر

شاعری ایک وجدانی اور ذوقی چیز ہے جو احساس سے تعلق رکھتی ہے، یہ احساس، اثر کا نتیجہ ہے جس سے جذباتِ انسانی برانگیختہ ہوتے ہین، شعر درحقیقت انھین احساسات اور جذبات کی ایک دلکش اور دل پر اثر پیدا کرنے والی تصویر ہے جو الفاظ مین کھینچی جاتی ہے،

محاکات

اس شاعرانہ مصوری کو اصطلاح مین محاکات کہتے ہین یعنی کسی چیز یا حالت کا اس طرح بیان کرنا کہ اسکی تصویر آنکھون مین پھر جائے، اس مین کلام نہین کہ تصویر مین مادی چیزون کے علاوہ حالات یا جذبات بھی مثل خوشی، رنج، فکر، حیرت اور پریشانی وغیرہ کے دکھائے جاسکتے ہین مگر بہت سے طرح طرح کے ایسے حالات، واقعات، واردات، کیفیات اور جذبات ہین جو تصویر مین نہین نمایان کیے جاسکتے اور نہ تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ دے سکتی ہے، چنانچہ خود قاآنی کا اس پر یہ فتوےٰ ہے،

ز صنع ایزدی محو ند و مات و ہائم و حیران
اگر گوشا[1] اگر ارژنگ[2] اگر مانی[3] اگر آذر[4]

[1] ایک رومی حکیم، اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تنگ تھا، [2] ایک چینی نقاش کا نام ہے [3] یہ ایک ایرانی نژاد شخص ہے جو ایک مذہب کا بانی تھا اور جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا، شاپور کے پوتے بہرام کے حکم سے وہ بری موت مارا گیا، اس کی سات کتابین تھین چھ سریانی زبان مین ایک پہلوی مین، گبن انگریزی مشہور مورخ کا خیال ہے کہ اس کا مذہب زردشتی اور مسیحی اصولون کے اتحاد و تطبیق کی ایک کوشش تھی جو دونون مذہبون کی بے رحمانہ نفرت پر منتج ہوئی

تخیل

محاکات مین حسن و خوبی تخیل سے پیدا ہوتی ہے، تخیل قوتِ اختراع کا نام ہے جو محاکات مین رنگ آمیزی کرتی ہے اور ترتیب و تناسب پیدا کرتی ہے،

مصور اور شاعر مین فرق

مصور اور شاعر مین فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کی تصویر کھینچے وہ ہو بہو اصل کے مطابق ہو اور اس کا ایک ایک خط و خال دکھایا جائے ورنہ تصویر ناقص رہے گی، بخلاف اس کے شاعر کے لیے یہ ضروری نہین ہے، وہ صرف ان چیزون کو نمایان کرتا ہے جن سے جذبات متاثر ہوتے ہین، وہ مصور کی طرح تصویر کا ہر جزو نہین دکھاتا ہے مگر ایسی تصویر کھینچتا ہے جو اصل سے بھی زیادہ دلکش اور خوبصورت نظر آتی ہے لیکن وہ قوتِ تخیل سے کام لیکر دوسرون کی طبائع پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کو پہلے محض ایک سرسری نظر سے دیکھا تھا، اور بنا برین اس کا پورا حسن نظر نہ آیا تھا،

محاکات کے لیے تشبیہ کی ضرورت

محاکات کے لیے تشبیہ بہت ضروری ہے، اکثر موقعون پر تشبیہ سے جیسی اصلی تصویر دکھائی جاسکتی ہے، دوسرے طریقہ سے ممکن نہین،

قبل اس کے کہ ہم اس سلسلہ مین قاآنی کا کلام نمونۃً پیش کرین دیکھنا یہ ہے کہ متقدمین جن کا قاآنی مقلد ہے محاکات کی کیسی تصویر کھینچتے تھے، اور قاآنی نے اس کو کہان سے کہان پہنچایا،

دقیقی اور پھولون کی تصویر،

نمونۃً ہم دقیقی کو پہلے لیتے ہین جو سامانی دور کا شاعر ہے اور چوتھی صدی ہجری مین گذرا ہے، ایک قصیدہ مین جو میر ابو سعید کی مدح مین ہے، خوشرنگ اور رنگ برنگ پھولون کی تصویر یون کھینچتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) الیعقوبی کہتا ہے کہ شاپور بن اردشیر کے زمانہ مین مانی ظاہر ہوا، نور و ظلمت دوئی کے دو مشہور بنیادی اصول اس کے مذہب کا سنگ بنیاد ہین، ایک نیکی کا خدا مانا جاتا ہے اور دوسرا برائی کا، بعض کا خیال ہے کہ اس مذہب کا مواد قدیم بابلی اور بودھ مذہب سے ماخوذ ہے، کہتے ہین کہ نقاشی اور مصوری کو وہ اپنا معجزہ بتاتا تھا اور اس نے تصویرون کا ایک مرقع تیار کیا تھا، (تاریخ ادبیات فارسی جلد اول، براؤن) [4] حضرت ابراہیم کے والد کا نام ہے جو بہت بڑے بت تراش تھے،

سحرگاہان کہ باد نرم جنبد — بجنباند درخت سرخ و اصفر (زرد)

تو پنداری کہ از گردون ستارہ — ہمی بارید ہ بر دیبای اخضر (کمخواب)

نگار اندر نگار و نون در نون — ہزاران دُر شدہ پیکر بہ پیکر

فرخی اور شاہی داغگاہ کی تصویر،

اس کے بعد ہم فرخی کے کلام کا نمونہ دیتے ہین جو سلطان محمود کے دربار کا شاعر ہے، اور اس سے پیشتر امیر ابوالمظفر چغانی کا جو سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا، مداح رہ چکا تھا، اس قصہ کا ابتدائی واقعہ یہ ہے کہ فرخی فکر معاش سے بہت تنگ تھا، امیر ابوالمظفر کی قدردانی کا شہرہ سنکر بلخ پہنچا، امیر اسوقت داغگاہ مین تھا، جہان وہ سال مین ایک دفعہ بچھیڑون کا جائزہ لینے جایا کرتا تھا فرخی امیر کے مختار کل عمید اسعد سے جا کر ملا، عمید نے امتحاناً اس کے سامنے داغگاہ کا پورا نقشہ کھینچکر کہا کہ پہلے داغگاہ کی تعریف مین قصیدہ لکھکر لاؤ تو مین تم کو امیر کے دربار مین لیچلون، فرخی نے رات بھر مین قصیدہ تیار کر کے صبح کو عمید کے سامنے جا کر پڑھا، عمید سنکر دنگ رہ گیا اور فوراً امیر کے پاس لیجا کر فرخی کو یون پیش کیا کہ دقیقی کے بعد سے آج تک اس پایہ کا شاعر نہین پیدا ہوا اور کل واقعہ بیان کیا، امیر نے فرخی کو دربار مین ایک اچھی جگہ دی، جب فرخی نے امیر کو داغگاہ کی تعریف مین اپنا قصیدہ سنایا وہ بہت ہی متحیر ہوا اور نہایت خوش ہوا اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام دیا، یہین سے فرخی کی ترقی کی ابتدا ہوئی اور اس کی امارت اور شان و شوکت رات دن بڑھنے لگی، اس قصیدہ کے چند اشعار لکھے جاتے ہین،

چون پرند نیلگون بر روی پوشد مرغزار — پرنیان ہفت رنگ اندر سر آرد کوہسار

خاک را چون ناف آہو مشک زاید بیقیاس — بید را چون پر طوطی برگ روید بیشمار

دوش وقت صبحدم بوئے بہار آورد باد — حبذا باد شمال و خرما بوئے بہار

[1] چہار مقالہ، مقالہ دوم، صفحہ ۴۹-۷۴، مطبوعہ نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۲۲ء،

باد گوئی مشک سودہ دارد اندر آستین — باغ گوئی لعبتان جلوہ دارد برکنار

نسترن لولوئے بیضا دارد اندر مرسلہ — ارغوان لعل بدخشی دارد اندر گوشوار

. . . .

باغ بوقلمون لباس و شاخ بوقلمون نمائے — آب مروارید گون و ابر مروارید بار

. . . .

سبزہ اندر سبزہ بینی چون سپہر اندر سپہر — خیمہ اندر خیمہ بینی چون حصار اندر حصار

ہر کجا خیمہ است خفتہ عاشقے با دوست مست — ہر کجا سبزہ است شادان یارے از دیدار یار

سبزہا با بانگ چنگ مطربان چرب دست — خیمہا با بانگ نوش ساقیان مے گسار

عاشقان بوس و کنار و نیکوان ناز و عتاب — مطربان رود و سرود و خفتگان خواب و خمار

بر در پردہ سرائے خسرو پیروز بخت — از پے داغ آتشے افروختہ خورشید وار

. . . .

داغہا چون شاخہائے بسد یاقوت رنگ — ہر یکے چون ناردانہ گشتہ اندر زیر نار

دیدگان خواب نادیدہ مصاف اندر مصاف — مرکبان داغ ناکردہ قطار اندر قطار

خسرو فرخ سیر (غلام) بر بارۂ (اسپ) دریا گذر — با کمند اندر میان دشت چون اسفندیار

ہمچو زلف نیکوان خورد سالہ تاب خورد — ہمچو عہد دوستان سال خوردہ استوار

میر عادل بوالمظفر شاہ با پیوستگان — شادمان و شادخوار و کامران و کامگار

ہر کرا اندر کمند شصت تاری در فگند — گشت نامش بر سرین و شانہ و رویش نگار

ہر چہ زین سو داغ کرد از سوئے دیگر ہدیہ داد — شاعران را با لگام و زائران را با فسار

ان اشعار مین شاعر نے شاہی داغگاہ کی تصویر اس طرح کھینچدی ہے کہ اس کا پورا نقشہ ہو بہو

انکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، کمال یہ ہے کہ بلا دیکھے صرف عمید اسعد کے بیان پر محاکات کی ایسی اعلیٰ تصویر کھینچی گئی ہے کہ خود عمید اسعد اور امیر تک متحیر رہ گئے، یہان شاعر نے یہ دکھلایا ہے کہ کوسون تک سبزہ زار ہے، پہاڑ تک سبزہ پوش ہین، جابجا چشمے بہ رہے ہین، موسم بہار کی ہوائین چل رہی ہین پھولون کی مہکین آرہی ہین، ابر موتی ایسا پانی برسا رہا ہے، باغ دلہن بنا ہوا ہے، جدھر دیکھو خیمون کی قطارین چلی گئی ہین بے تکلف احباب جمع ہین، تانین اڑ رہی ہین، شراب کا دور چل رہا ہے، خیمون مین عیش وعشرت کے جلسے جمے ہوئے ہین، شاہی خیمہ کے قریب گھوڑون کو داغ دینے کے لیے آگ جل رہی ہے، بادشاہ ایک ہاتھ مین کمند لیے ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہے، جس گھوڑے کی گردن مین کمند ڈالدیتا ہے وہ داغ دیا جاتا ہے اور شاعرون اور دوسرے لوگون کو انعام مین مل جاتا ہے،

زبان کی صفائی، شستگی، سلاست اور روانی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آج کی زبان معلوم ہوتی ہے، جو قاآنی کے ساتھ مختص سمجھی جاتی ہے، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو خوبیان قاآنی کے کلام کو دوسرون سے ممتاز کرتی ہین، وہی فرخی کے کلام مین جسکو صدیان گذر چکی ہین بدرجۂ اتم موجود ہین، لطیف تشبیہین، چست بندش اور خوش نوائی بھی ذرا ملاحظہ ہو،

منوچہری پرندون کی حالت اور بہار کا سمان

متقدمین مین منوچہری بھی مناظرِ قدرت اس خوبی سے دکھاتا ہے کہ پورا نقشہ آنکھون کے سامنے کھنچ جاتا ہے، جہان کہین بہار کا سمان دکھایا ہے گویا فطرت کی ایک تصویر ہے جو سامنے ہے، اس وصف مین بجز قاآنی کے کوئی اس کو نہین پہنچتا، بہار کی تصویر کھینچتے ہوئے وہ جانورون اور پرندون تک کی حالت دکھاتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین ایک مسمط کے چند بند ملاحظہ ہون،

کبکان بے آزار کہ برکوہ بلند ند	بے قہقہہ یکبار ندیدم کہ بخندند
جز خار بنان جا گہ خود نہ پسندند	بر پہلو از ین نیمہ و ان نیمہ بہ ندند

(حاشیہ: چکور، خارزار، پہلو بدلتے ہین)

ہر ساعتگی سینہ بمنقار بر ندند

چون جزع[1] برسینہ و چون بُسَّد منقار (یاقوت)

شبگیر ز گل فاختگان بانگ بر آرند	گوئی کہ سحرگاہ ہمی خواب گذارند
ماہِ سرشبہ (صبح، ہلال) از بر گردن بنگارند	از غالیہ بے آنکہ ہمی غالیہ دارند

صد[2] بار بروزے دریرہا بشمارند

چون نیم دبیرے کہ غلط کردہ باشمار (شمار)

ہر ساعتگی بط سخنے چند بگوید	در آب جہد جامہ دگر بار بشوید
در آب کند گردن و در آب بروید	گوئی کہ مگر چیزے در آب بجوید

چون سینہ بجنباند و یک لخت بپوید

از ہر سر پرش بجہد صد در شہوار

دراج کند گرد گیا راہ تگا پوے	از غالیہ عجمی ببر در بر سر ہر موے
ہر ماں بکند بانگ نمازی بلب جوے	تا سرخ کند گردن و تا سبز کند روے

در سجدہ رود خیرے بالالۂ خود روئے

سرخی نہ بشنگرف و سبزی نہ بزنگار

منوچہری نے ایک دوسری جگہ بہار کی ایک نئے انداز سے تصویر کھینچی ہے، چند شعر لکھے جاتے ہین، سادہ تشبیہین، جدتِ ادا اور مناسبات لفظی ومعنوی ملاحظہ ہون،

نوبہار آمد و آورد گلُ دیاسمنا	باغ ہمچون تبت وراغ بسانِ عدنا

---

[1] سفید وسیاہ مہرہ [2] قریان دن بھر مین بار بار اپنے پرون کو اس طرح گنتی ہین یعنی کھولتی ہین جیسے کوئی نوسکھیا محاسب جو بار بار حساب بھول جاتا ہو اور ہر کا غذ الٹا پلٹتا ہو،

بوستان گوئی ہمچون بتِ فرخار شدہ است — مرغکان چون شمن[1] و گلبنکان چون وثنا[2]

. . . .

کبک ناقوس زن و شارک سنتور[3] زنست — فاختہ نای زن و بط شدہ طنبور زنا

پردۂ راست زند نارو[4] بر شاخِ چنار — پردۂ بادہ زند قمری بر نارونا

کبک پوشیدہ یکے پیرہنِ خز کبود — کردہ با قیر مسلسل دو بر پیرہنا

. . . .

فاختہ راست بگردار یکے لعب گراست — در فگندہ بگلو حلقۂ مشکین رسنا

از فروغِ گُل اگر اہرمن آید بر تو — از پری باز ندانی دو رُخِ اہرمنا

نرگسِ تازہ چو چاہِ ذقنی شد بمثل — گر بود چاہ زد نیار و ز نقرہ ذقنا

چونکہ زرین قدحے برکفِ سیمین صنمے، — یا درفشندہ چراغے بمیانِ پرنا[5]

آن گُلِ نار بجردار کفے شنبرم سُرخ — بستہ اندر بر او بختے مشکِ ختنا

. . . .

ارغوان بر طرفِ شاخ، تو پنداری راست — مرغکا نند عقیقین زدہ برباب زنا

. . . .

لالہ چون مریخ اندر شدہ بختے بکسوف — گُلِ دو روے چو بر ماہ سُہیلِ یمنا

قاآنی، ہوا کا چلنا

اب دیکھیے قاآنی نے کن شیرین الفاظ مین ایک موقع پر بہار کا سمان کھینچتے ہوے ہوا کا اٹھلا اٹھلا کر چلنا دکھایا ہے۔

---

۱ بت پرست، ۲ بت ۳ مینا ۴ ستار یا سارنگی کی طرح کا ایک باجا، ۵ ایک خوش آہنگ چڑیا، ۶ ایک منقش ریشمی کپڑا شد ایک قسم کا پودھا،

نرم نرمک نسیم زیرِ گلان می خزد — غبغبِ این می مکد عارضِ آن می مزد

گیسوئے این می کشد گردنِ آن می گزد — گہ بہ چمن می چمد گہ بہ سمن می وزد

گاہ بشاخِ درخت گہ بہ لبِ جوئبار

شاعر کہتا ہے ہلکی ہلکی ہوا آئی، پھولون مین جا گھسی، کسی پھول کا گال چوما، کسی کی ٹھوڑی چوسی، کسی کی گردن دانت سے کاٹی، کبھی کیاریون مین کھیلی، کبھی چنبیلی کے پاس پہنچی، اور یون ہی درختون کی ٹہنیون سے اٹھکیلیان کرتی ہوئی نہر کے کنارہ پہنچ گئی،

کیسا نقشہ کھینچا ہے گویا متحرک تصاویر کا تماشا دکھایا ہے، یہ وہ سمان ہے جو مصور کی تصویر کے بس کا نہیں،

بہار کا عالم، بنفشہ اور لالہ کی تشبیہ

ایک دوسرے مخمس کے ایک بند مین جدتِ تشبیہ ملاحظہ ہو، بہار کا عالم، قوتِ نمو کا اُبھار، خون کا جوش، دونون کا بڑھنا تصویر کا ایک دوسرا رخ ہے جو بارش ہو چکنے کے بعد دکھایا گیا ہے۔

بنفشہ رُستہ از زمین بطرفِ جوئبارہا — ویا گسستہ حورِ عین ز زلفِ خویش تارہا

ز سنگ اگر ندیدۂ چسان جہد شرارہا — ببر گہائے لالہ بین میانِ لالہ زارہا

کہ چون شرارہ می جہد ز سنگ کوہسارہا

اس مخمس مین شاعر نے عالمِ بہار کا نقشہ کھینچتے ہوے جو لطیف رنگ آمیزی کی ہے وہ اس درجہ موثر اور ولولہ انگیز ہے کہ کوئی کتنا ہی مردہ دل کیون نہ ہو، ایک دفعہ تو اس مین تر و تازگی کی نئی روح ضرور ہی دوڑ جائیگی اور اس کے قلب مین وہی کیفیت پیدا ہو جائے گی، جس نے شاعر سے ایسا روح افزا مخمس کہلوایا ہے،

کہتا ہے ندیون کے کنارے کوسون تک بنفشہ اُگا ہوا چلا گیا ہے، وہ اس طرح

لہلہارہا ہے گویا حورانِ جنت نے اپنی زلفین بکھیر دی ہین، اگر تو نے یہ منظر نہین دیکھا ہے کہ تپھر سے شرارے کیونکر نکلتے ہین تو آ اور لالہ زار کو دیکھ! بنفشہ کو حورون کی زلفون سے اور برگ لالہ کو شرارہ سے تشبیہ دیکر کیسی جدت طرازی کی ہے،

امیر خسرو بہار کا سمان اور لالہ کی تشبیہ، خسرو اور قاآنی کی تشبیہ کا فرق

اسی لالہ کے متعلق حضرت امیر خسرو ایک دوسری نوعیت سے اظہارِ خیال کر چکے ہین، صرف تشبیہ کا فرق ہے، قاآنی نے لالہ کو شرارہ سے تشبیہ دی ہے اور امیر خسرو نے خون سے، چنانچہ بہار کا سمان دکھلاتے ہوے کہتے ہین، جدتِ مضمون کے علاوہ لطیف استعارات کے ساتھ جو مصوری کیگئی ہے ملاحظہ ہو،

بوستان بشگفت و روئی لالہ خندان گشت باز   بر رُخِ گُل طُرۂ سُنبل پریشان گشت باز

سبزہ خطے چند بہرِ خواندنِ بلبل نوشت   بلبل آنگہ از خطِ خوبان غزل خوان گشت باز

خونِ لالہ گوئیا خواہد چکید از تیغِ کوہ   یا چکید آن خون کہ کوہ آلودہ دامان گشت باز

قاآنی، یادِ معشوق کی ایک نئی تصویر اور جدت تشبیہ

اسی متذکرۂ بالا مسمط کے ایک دوسرے بند مین قاآنی نے ایک نئی تصویر کھینچی ہے، لفظی صنعتین تشبیہ کی عمدگی لطافت اور جدت ملاحظہ ہو،

بہار را چہ میکنم چو شد ز بر بہارِ من   کنارہ کردم از جہان چو او شد از کنارِ من

خوشا و خرم آن دمے کہ یار بود یارِ من   دو زلف مشکبارِ او بچشم اشکبارِ من

دو چشمہ کہ اندر و شنا کنند مارہا

کہتا ہے ایسی بہار کو کیا کرون جبکہ میری بہار یعنی میرا معشوق میرے پاس سے چلا گیا ہین نے دنیا ہی کو چھوڑ دیا جب وہ میرے پہلو سے اُٹھ گیا، کیا ہی اچھا زمانہ تھا جب میرا معشوق میرا دوست تھا، اس زمانہ کی یاد مین آٹھ آٹھ آنسو روتا ہون اور میری اشک آلود آنکھون مین محبوب کی زلفون کا عکس ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چشمہ مین سانپ تیر رہے ہین،

بارش اور ژالہ باری کے بعد پھولون اور باغ کی تصویر

ایک جگہ کہتا ہے اور دیکھیے بارش اور اولون کے گرنے کے بعد پھولون کی اور باغ کی جو حالت ہوتی ہے اس کی کیسی سچی تصویر کھینچتا ہے،

عذارِ گُل خراشیدہ خطِ ریحان تراشیدہ   ز بس الماس پاشیدہ بباغ از ژالۂ بیضا

پھولون کے رخسارے موسلادھار مینھ اور اولون سے چھل گئے ہین اور ان کے خطون کی گویا حجامت ہوگئی ہے جس سے ان کا جوبن اور بھی نکھر گیا ہے، اور باغ مین سفید سفید براق اولون کی کثرت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی نے ہیرے کی کنیان مٹھیان بھر بھر کر بکھیر دی ہین، یہان "عذارِ گل خراشیدہ" اور "خطِ ریحان تراشیدہ" کے استعارے نہایت لطیف اور خوبصورت ہین اور ژالہ کی تشبیہ نے تو جو الماس سے دیگئی ہے شعر مین جان ڈالدی ہے، ریحان کی معنوی رعایت بھی ملاحظہ ہو جس سے مضمون مین بہت لطافت آگئی ہے، علاوہ نازبو کے پھول کے سبز پتیون اور ایک قسم کے خط کو بھی ریحان کہتے ہین،

لالہ اور قطرۂ شبنم کی اچھوتی تشبیہین

ایک قصیدہ کے دو شعر ملاحظہ ہون،

ز خاک رُستہ لالہا چہ بُسّدین پیالہا   برگ لالہ ژالہا چو در شفق ستارہا

بہار کے زمانہ مین جو سرخ پھول زمین پر کھلے ہوے ہین بالکل مونگے کے پیالون کا دھوکا دیتے ہین اور ان پھولون کی پتیون پر جو اس کے قطرے پڑے ہوئے ہین ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ستارے شفق مین چمک رہے ہین، رنگ کی شوخی کے لحاظ سے لالہ کے پھول کو مونگے کے پیالہ سے تشبیہ دینا اور لالہ کی سرخ پتیون پر اس کے قطرون کی چمک کو شفق مین ستارون کی چمک سے تشبیہ دینا کیسی اچھوتی اور موزون تشبیہین ہین،

آبشارون مین پانی کا بہنا اور نئی تشبیہ

ز ریزشِ سحابہا بر آبہا حبابہا   چو جوے نقرہ آبہا روان در آبشارہا

بادلون کی بارش سے پانی پر جو بلبلے اٹھتے ہین وہ ٹوٹ ٹوٹ کر چاندی کی نہر کے مانند

موجین مارتے ہوئے ہوے آبشارون مین بہ رہے ہین، جو ئے نقرہ کی نئی تشبیہ ملاحظہ ہو،

ان دونون شعرون مین علی الترتیب لالہ کی اور لالہ کی پتیون پر اوس کی اور آبشارون مین پانی بہنے کی سادہ اور لطیف تشبیہون کے ذریعہ سے کیسی دلکش تصویر پیش نظر کر دی ہے۔

بہار کی آمد اور فصل سرما کا اختتام جدید تشبیہین اور ایک لطیف تلمیح

اب محاکات کا ایک اور نمونہ دیکھیے اور جدت تشبیہ کی داد دیجئے،

ہلا! نزدیک شد اے دل کہ زمستان گذرد
عہد بستان شود و دور شبستان گذرد

ابر بہ طرفِ چمن گریان گریان پوید،
لالہ بر صحنِ دِمن خندان خندان گذرد

ہر سحر کبک چو از راغ خرامد سوئے باغ
طفل گوئی بہ شبستان زدبستان گذرد

مشک بپراگندہ اندر ہمہ آفاق نسیم
بسکہ بر یاسمن و سنبل و ریحان گذرد

ساق بالا زند اندر شمرِ (تالاب) آب کلنگ
ہمچو بلقیس کہ بر صرحِ سلیمان گذرد

کہتا ہے اے دل آگاہ ہو قریب ہے کہ فصل سرما ختم ہو، گلگشت چمن کا وقت آرہا ہے اور خانہ نشینی کا زمانہ ختم ہو رہا ہے، ابر برستا ہوا تیزی سے باغ کی طرف جارہا ہے اور گھورون پر بھی لالہ کے پھول کھل رہے ہین، ہر صبح جب تیترو ادیون سے باغ مین آتے ہین ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بچے مکتب سے گھر آتے ہین، نسیم نے دنیا بھر مین مشک پھیلادی ہے کیونکہ وہ چنبیلی، سنبل اور ریحان کے پھولون پر سے گذرتی ہے، کلنگ تالاب مین اس طرح پائینچے چڑھاتا ہے جیسے بلقیس حضرت سلیمان

کے شیشے والے مکان مین،

اس آخری شعر مین تلمیح یہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر ملی کہ بلقیس ملکۂ صبا کی پنڈلیون پر بڑے بڑے بال ہین تو اس کی تحقیق کے لیے دربار کے سامنے ایک ایسا بلوری فرش لگایا گیا جس سے سطح آب کا دھوکا ہوتا تھا جب بلقیس کو طلب کیا گیا تو انھون نے پانی کے خیال سے گھبرا کے دامن چڑھا لئے جس سے پنڈلیون کا کپڑا ہٹ گیا، اور اصلیت ظاہر ہوگئی، کہ غلط عیب لگایا گیا تھا قاآنی اس واقعہ سے کام لیکر کلنگون کی تصویر یون کھینچتا ہے، کہتا ہے، کلنگ تالاب مین اس طرح پائینچے چڑھاتا ہے، جیسے بلقیس، سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ مین بلوری فرش پر پانی کے دھوکے مین پائینچے چڑھا کر احتیاط سے پانی مین اتر رہی ہین،

بہار کی تصویر پرندون کے زمزمے اور نئی تشبیہین

قاآنی نے ایک جگہ بہار کا سمان کھینچا ہے، دیکھئے کس رنگ مین اور کیسے دل ربا انداز مین بہار کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے، جس سے مصور کا تصور عاجز ہے، چند اشعار ملاحظہ ہون،

نسیمِ خلد می وزد مگر ز جویبارہا
کہ بوے مشک می دہد ہوائے مرغزارہا

فرازِ خاک وخشتہا دمیدہ سبز کشتہا
چہ کشتہا بہشتہا نہ دہ نہ صد ہزارہا

بچنگ بستہ چنگہا بنائے ہشتہ زنگہا
چکاوہا، کلنگہا، تدروہا ہزارہا

زنائے خویش فاختہ دو صد اصول ساختہ
ترانہا نواختہ چو زیر و بمِ تارہا

. . . .

فگندہ اند ہمہمہ، کشیدہ اند زمزمہ
بشاخِ سروبن ہمہ چہ کبکہا چہ سارہا

نسیم روضۂ ارم جہد بمغز دمبدم
ز بس دمیدہ پیش ہم بطرفِ جویبارہا

بہارہا، بنفشہا، شقیقہا، شگوفہا
شمامہا، خجستہا، اراکہا، عرارہا

زریوش سحابہا بر آبہا حبابہا | چو جوئے نقرہ آبہا روان در آبشارہا
فراز سرو بوستان نشستہ اند قمریان | چو مقریان نغز خوان بزیر دین منارہا
فگندہ اند غلغلہ دو صد ہزار یکدلہ | بشاخ گل پے گلہ ز رنج انتظارہا

. . . .

درین بہار دلنشین کہ گشتہ خاک عنبرین | زمن ربودہ عقل و دین نگارے از نگارہا

الفاظ کیا ہین، یہ چمنستان کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے جو خود اپنے منھ سے بول رہی ہے، لطف بیان، زبان کی صفائی، روانی، ہشتگی، برجستگی اور خوش نوائی کی سحر آفرینیان خود اپنی آپ داد طلب ہین، نظیر اکبرآبادی کے متعلق لوگ کہتے ہین کہ وہ ڈنڈا بجانے والے فقیرون پر احسان کر گیے ہین مگر ہمین شک ہے کہ شاید ہی اس قدر ترنم خیز اور نغمہ زا الفاظ ان کی کسی نظم مین ہون جو قاآنی نے استعمال کے ہین، ذرا روانی سے پڑھیے آپ خود تال دینے لگین گے،

باغ وبہار کی دلچسپیون اور حریفان بادہ خوار کی مستانہ کیفیتون کی تصویر اور ہمین کی کیفیت

اب ایک دوسرے رنگ کی بہار دیکھیے جس مین قاآنی نے باغ وبہار کی دلچسپیون اور حریفان بادہ خوار کی مستانہ کیفیتون کی جو تصویر کھینچی ہے وہ محاکات کا بہترین نمونہ ہے، ایک ایک جزئی حالت اس طرح ادا کی ہے کہ پورا نقشہ آنکھون کے سامنے کھنچ جاتا ہے،

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگ ہزار آید | بہر ساعت خروش مرغ زار از مرغزار آید
تو گوئی ارغنون بستند بر ہر شاخ و ہر برگے | ز بس بانگ تدرو و صُلصُل و دراج و سار[1] آید
بجوشد مغز جانہا چون بوے گل از بوستان خیزد | بپرد مرغ دل چون بانگ مرغ از شاخسار آید
خروش عندلیب و صوت سار و نالۂ قمری | گہے از گل گہے از سرو بن گاہ از چنار آید

[1] ایک سیاہ رنگ کی خوش آواز چڑیا،

. . . .

یکے برکف نہد لالہ کہ ترکیب قدح دارد | یکے بر گل کند تحسین کہ زو بوئے نگار آید
یکے با دلبر سادہ بصحن بوستان گردد | یکے با ساغر بادہ بطرف جوئبار آید
یکے مینڈ چمن را بے تأمل مرحبا گوید | یکے بوید سمن را مات صنع کردگار آید
یکے بر لالہ پا کوبد کہ ہی ہی رنگ مے دارد | یکے از گل بوجد آید کہ بخ بخ بوئے یار آید
یکے بر سبزہ می غلطد یکے در لالہ می رقصد | یکے گاہے رود از ہش یکے گہ ہوشیار آید
ز ہر سوئے نوائے ارغنون و چنگ و نے خیزد | ز ہر کوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید
یکے اینجا نواز د نے یکے آنجا گسار د مے | صدائے ہائے و ہوئے ہی ز ہر سوئے ہزار آید

. . . .

الا یا ساقیا مے دہ بجان من بیا مے دہ | دمادم ہی خور وہی دہ کہ می ترسم خمار آید

شاعر کہتا ہے، بہار آگئی کیونکہ باغون سے بلبلون کی آوازین آرہی ہین اور سبزہ زارون سے ہر وقت چڑیون کے چہچہے سنائی دے رہے ہین، چکور، فاختہ، تیتر اور سار کی آوازون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ٹہنی اور پتے پر ارگن باجہ بندھا ہوا ہے، جب پھولون کی مہک باغ سے آتی ہے روح وجد کرتی ہے اور جب مرغان چمن درختون پر چہکتے ہین مرغ دل اڑنے لگتا ہے، بلبلون کے نغمے سار کی آوازین اور قمری کے نالے کبھی پھول کبھی سرو اور کبھی چنار سے سنائی دیتے ہین، کوئی لالہ کے پھول کو ہاتھ مین لیتا ہے، کیونکہ اس کی صورت جام شراب کے مانند ہے، کوئی پھول پر عش عش کر رہا ہے کیونکہ اس سے معشوق کی خوشبو آرہی ہے، کوئی اپنے محبوب کیساتھ گلگشت چمن مین مصروف ہے اور کوئی جام بکف نہر کے کنارے جا رہا ہے، ایک باغ کو دیکھکر بے اختیار داد دے رہا ہے، دوسرا پھول کی خوشبو سونگھ کر خدا کی صنعت مین محو ہو رہا ہے، کوئی لالہ پر پانون دے دے مارتا ہے کہ اہا ہا وہ شراب کے ہم رنگ ہے اور کوئی پھول کو دیکھکر بے حال ہوا جاتا ہے

کوداہ وا اس سے محبوب کی خوشبو آتی ہے، کوئی لالہ پر لوٹ لگا رہا ہے اور کوئی سبزہ پر ناچ رہا ہے، کوئی بے ہوش ہوا جاتا ہے اور کوئی ہوش مین آرہا ہے، ہر طرف ارگن، چنگ اور بانسری کی آواز آرہی ہین، ہر گلی مین بربط، طنبور اور ستار بج رہے ہین، کوئی یہان جام پر جام چڑھا رہا ہے، کوئی وہان بانسری بجا رہا ہے، ہر طرف سے ہو ہا کی آوازین آرہی ہین، ہان! اے ساقی شراب دے اور میری جان کی قسم برابر دیے جا، خود پی اور لگاتار پلائے جا کیونکہ مجھ کو ڈر ہے کہ خمار نہ آجائے،

تلخیص و تبصرہ

توارج ملثمین

عورت

اس تلخیص کا پہلا حصہ نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا تھا، اب مقتطف مین اس کا دوسرا ٹکڑا بھی آیا ہے جو پہلے سے زیادہ دلچسپ ہی، اسلئے اسکی تلخیص بھی ذیل مین پیش کی جاتی ہے، مضمون نگار پہلے اس قوم کی عورتونکے متعلق لکھتا ہے،

"اس قوم کی عورتین ذہانت مین مردون سے ممتاز ہوتی ہین، لیکن نسوانی حسن وجمال سے بالکل بے بہرہ ہین، بلکہ اس کے برعکس حسن وجمال کا حصہ مردون کو ملا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس قوم مین شاعرہ زیادہ تر عورتین ہوتی ہین، مرد بہت کم شاعر ہوتے ہین، کیونکہ مردون کے حسن کی کشش عورتون کے شاعرانہ جذبات کو بھڑکاتی ہین، اور عورتون کی بداندامی مردون کے شاعرانہ جذبات کو سرد کردیتی ہے، اور غالباً اسی وجہ سے مرد ایک عورت سے زیادہ عورتون سے نکاح نہین کرتے، اور پہلی عورت کو طلاق دیکر دوسری عورت کو عقد نکاح مین نہین لاتے، لیکن طلاق و تعدد ازدواج کی رسم کے جاری نہ ہونے کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس قوم مین عورتون کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہے، اس لیے نکاح وطلاق کا معاملہ تمامتر ان کے ہاتھ مین ہے، لیکن باوجود اس اقتدار کے بجز مجبوراً نہ صورتون کے عورت اپنا نکاح بذات خود نہین کرسکتی، بلکہ اس معاملے مین اپنے اوپر کسی قدر مرد کے اثر و اقتدار کو بھی تسلیم کرتی ہے، بلکہ جو عورت عمر بھر نکاح نہین کرتی وہ اس قوم مین بہت زیادہ قابل ستائش خیال کیجاتی ہے،

اس قوم مین لڑکیون کو لڑکون سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، چنانچہ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے، تو باہم

ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہین اور دعوتین کرتے ہین، اور جب وہ بالغ ہوتی ہے تب بھی جلسے کرتے ہین
اور دعوتین دیتے ہین، اور اس موقع پر وہ ایک مجمع عام مین شریک ہوتی ہے، اور نوجوان لوگ بالکل نقاب
پوش ہوکر اور عمدہ لباس زیب تن کرکے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرتے ہین، اور ان مین ہر نوجوان
کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس کا انتخاب کرے، لیکن ادب کے مارے کوئی شخص زبان سے اس خواہش
کا اظہار نہین کرسکتا، بلکہ وہ خود بالکل بے پردہ مسکراتی ہوئی ان کے سامنے سے گذرتی ہے، اور جب ان مین
سے کسی کا انتخاب کرلیتی ہے، تو بقیہ لوگ نہایت مایوسی کے ساتھ واپس آتے ہین، اور کامیاب شخص نہایت
مسرت کے ساتھ فخر و غرور کے نشہ مین جھومتا ہوا لوٹتا ہے، اس کے بعد نکاح سے پہلے کچھ دنون تک دوستانہ
زندگی بسر کرتے ہین، ایک کی دوسرے کے یہان آمد و رفت رہتی ہے اور باہم تنہائی مین ملتے جلتے رہتے ہین،
پھر مجمع عام مین اگر عورت اعلان کرتی ہے کہ وہ اس کا شوہر ہے، اور اس مین تمام شریفانہ اخلاق پائے
جاتے ہین، یہ شریفانہ اخلاق چند معمولی رسمی چیزین ہین، مثلاً اگر کوئی مرد اپنی بی بی کے علاوہ کسی دوسری
عورت کے سامنے کھاپی لے، یا بے نقاب ہوجائے تو یہ بی بی کی سخت ناقابل معافی توہین خیال کیجاتی ہے،
بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ مرد عورت کے سامنے اس قسم کا کوئی کام ہی نہ کرے، اس قوم مین یہ بات اور تمام قومون کے
خلاف پائی جاتی ہے، کیونکہ عرب بربر اور دوسری قومون مین اس کے برعکس یہ دستور ہے کہ عورتین ہی
مردون کے سامنے کھاپی نہین سکتین، ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس قوم مین مرد جب عورت سے ملتا ہے تو
نہایت عمدہ لباس اور عمدہ ہیئت مین ہوتا ہے، لیکن عورت اس سے نہایت معمولی لباس مین ملاقات کرتی
ہے، اور جب باہم ملتے ہین تو صرف عشق و محبت کی باتین کرتے ہین، لیکن باوجود اس عشق و محبت کے مرد
عورت کا بوسہ نہین لے سکتا کیونکہ یہ ان کے یہان نہایت ننگ و عار کا سبب ہے، بلکہ بوسے کے بجائے
وہ اس کو پھول کی طرح سونگھتا ہے،

جب کوئی نوجوان لڑکی شوہر کا انتخاب کرلیتی ہے تو اس کا باپ اس کے ساتھ اس کا نکاح کردیتا ہے

اور اس موقع پر مجبوراً عورت کو زیب زینت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس آرایش کی صورت یہ ہے
کہ وہ اپنے بالون کو کوئلہ اور زیتون کے تیل سے رنگ لیتی ہے، اور جب صبح کو سوکر اٹھتی ہے، تو یہ سیاہی
اس کے چہرہ، گردن اور سینے پر پھیل کر نہایت بدنما منظر پیش کرتی ہے،

اس قوم کے بدو قبائل مین شادی و برات کا طریقہ یہ ہے کہ عورتین گاتی بجاتی ہوئی ایک میدان مین
نکل جاتی ہین، اور تقریباً دس مرد اونٹون پر سوار ہوکر ناچتے ہین، آخر مین جس عورت کی شادی ہونے والی
ہوتی ہے، وہ اپنے دوپٹے کو ایک چھڑی مین لٹکا کر ہلاتی ہے اور وہ شتر سوار اس کے لینے کو دوڑتے ہین
اور جو شخص اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لے لیتا ہے، اس کو بڑا فخر حاصل ہوجاتا ہے، شہری قبائل مین تنہا مرد
ناچتے ہین، اور اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک مرد اپنا نیزہ ہاتھ مین لے لیتا ہے، اور ایک پانون پر کھڑے
ہوکر ناچتا ہے، لیکن اس کے برعکس جزائر کے بربر اور بعض قبائل عرب بلکہ اسپین اور یورپ مین یہ دستور
ہے کہ شادی و برات مین صرف عورتین ناچتی ہین، اور مرد گاتے ہین، اور اگر اسکی یہ وجہ ہے کہ عورت کی غلامی
اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ مردنے اسکو ایک کھیل تماشے کی چیز سمجھ لیا تھا، اس کے ناچنے کے لیے اسکو مخصوص
کرلیا تھا تو یہ ماننا پڑیگا کہ توارج کے یہان عورت کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس نے مرد ہی کو ایک
کھیل تماشے کی چیز بنا لیا ہے،

عام متمدن ملکون مین نکاح کے بعد عورت گمنام ہوجاتی ہے، اور اس کو صرف مرد کے نام سے موسوم
کرتے ہین مثلاً زوجۂ فلان یا مس فلان، لیکن توارج کے یہان اس کے برعکس مرد ہی گمنام ہوجاتا ہے،
اور اس کو صرف اس طرح موسوم کرتے ہین، فلان عورت کا شوہر، فلان عورت کا بیٹا، فلان عورت کا باپ
اور اس سے بھی عورت کے غیر معمولی اقتدار کا اندازہ ہوتا ہے،

توارج کی اجتماعی زندگی عام مسلمانون سے جن وجوہ کی بنا پر مختلف ہے، ان مین ایک یہ ہے کہ رات
کے کھانے سے فارغ ہوکر عورتین اپنے مکان سے قریب کسی کھلی ہوئی جگہ مین نکل جاتی ہین اور ایک یا متعدد

ڈبون مین منقسم ہوکر بیٹھ جاتی ہین، اوران مین سے ایک مغنیہ گانا بجانا شروع کرتی ہے، ان کے یہان ایک مرد بغیر نکاح کے بھی عورتون سے دوستانہ تعلقات قائم رکھ سکتا ہے اوراس کو عیب نہین خیال کیا جاتا، چنانچہ مرد بھی نقاب پوش ہوکر اورعمدہ لباس زیب تن کرکے آتے ہین، اوراپنی حبیبہ کے پہلو مین اپنا نیزہ ہلاتے ہین، اجازت ملنے پراس کے پہلو مین نہایت ادب سے بیٹھ جاتے ہین، اور ادھر ادھر مطلق نہین دیکھ سکتے، جو لوگ ان مجمعون سے دور ہوتے ہین وہ خاص ان کے لیے اونٹ رکھتے ہین، اورجب مجمع کے پاس پہنچتے ہین تو سلام کرتے ہین، اوراونٹ بٹھاتے ہین، لیکن جب تک صدر مجلس جو ہمیشہ ایک عورت ہوتی ہے اجازت نہ دے اونٹ سے اتر نہین سکتے، ان مجمعون مین مرد عورت کی آواز سے نہ اپنی آواز بلند کرسکتا نہ گا بجا سکتا، البتہ اگر وہ خوش گلو ہو، اور عورتین خواہش کرین، اوراس کی محبوبہ اجازت دے تو وہ گا سکتا ہے جب رات زیادہ گزرچکتی ہے تو صدر مجلس مجمع کے منتشر ہونے کا حکم دیتی ہے، اوراس وقت عاشق ومعشوق لوگون کی نگاہ سے دور کسی تنہا مقام پر ملتے ہین، اور یہ خلوت صبح تک رہتی ہے، لیکن اس مین منکرات اور فواحش کی آمیزش نہین ہوتی صرف پاک محبت کا اظہار ہوتا ہے،

لباس

سخت سردی کے موسم مین اہریر کے لوگ عبا، اور چمڑے کی ٹوپیان استعمال کرتے ہین اوران کے علاوہ اور لوگ اونی اورکوٹ پہنتے ہین، عورت اور مرد دونون کا لباس یکسان ہوتا ہے، اور وہ سادہ اور موٹے کپڑے سے تیار کیا جاتا ہے جو انگلینڈ سے آتے ہین، اور یہ لوگ ان کو نیلگون رنگ مین رنگ لیتے ہین، بلکہ جو عبا جس قدر زیادہ نیلی اورچمکدار ہو اسی قدر عمدہ خیال کیجاتی ہے یہ لوگ کپڑون کو بالکل نہین دھوتے، اورجب تک وہ بدن سے پھٹ کر خود اتر نہ جائین اُن کو بدن سے نہین اتارتے، یہ لوگ منھ اور ہاتھ پانون نہین دھوتے، اور نماز کے لیے صرف تیمم کرتے ہین، حالانکہ وہ مریض نہین

ہوتے اور پانی موجود ہوتا ہے، یہ لوگ نہایت سادے جوتے پہنتے ہین، جو زرافہ یا نیل گاؤ کے چمڑے کے ہوتے ہین، اوران پر ایک نرم اور منقش چمڑہ بھی لگا لاتے ہین، اوراس کو شوق ونمائش کی چیز سمجھتے ہین، مرد کا جوتا چوڑا اوراس کے پانون سے بڑا ہوتا ہے، لیکن عورت کا جوتا اس کے پانون ہی کے برابر ہوتا ہے، یہی حالت اور لباسون کی بھی ہے،

مردون کی نقاب بھی معمولی پہننے کے کپڑون کی ہوتی ہے، اور چمکدار اور نیلا رنگ اس کے لیے بھی لازمی ہے، مرد صرف گھر مین جب تنہا ہوتے ہین، تو نقاب کو چہرے سے اتار سکتے ہین، عورتون بالخصوص اپنی بیویون کے سامنے بے نقاب ہونا سخت عیب خیال کیا جاتا ہے، اس نقاب پوشی کی ایک وجہ تو سردی، گرمی، اور غبار سے محفوظ رہنا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے لوٹ مار کے موقع پر صورت مہیب ہوجاتی ہے،

عقائد مذہبی

یہ لوگ مسلمان ہین اور صرف اپنے آپ کو سچا مسلمان سمجھتے ہین، "جانت" ان کا مقدس شہر ہے اوران کا خیال ہے کہ مکہ معظمہ پہلے یہین ایک پہاڑ کے قریب تھا لیکن ایک روز ایک سیاہ کتا آیا اوراس مکہ اور آفتاب کے درمیان کھڑا ہوگیا جس سے اس پر روشنی نہ پڑسکی، اس لیے وہ حجاز کی طرف منتقل ہوگیا، یہ لوگ اب تک اس پہاڑ کو "مکت" کہتے ہین، ان کے یہان لڑائی کے بہت سے واقعات مشہور ہین، جنہین وہ اپنے بہادرون کو اوصاف الٰہی کے ساتھ متصف کرتے ہین، یہ لوگ سنوسی ہین اور شیخ سنوسی کی بڑی تعظیم کرتے ہین، البتہ عام مسلمانون کی طرح اولیاء کو خدائی درجہ نہین دیتے، اورانھون نے کفار سے یہ طریقہ سیکھا ہے کہ جب کوئی غیر مسلم مسافر آکر مساجد کی زیارت کرنا چاہتا ہے تو یہ لوگ ہر ممکن طریقہ سے اس کی جانچ پڑتال کرتے ہین، اگر وہ مرد ہوتا ہے تو اس کو وضو کرا کے مسجد مین جانے کی اجازت دیتے ہین، اور اگر تحقیقات سے عورت ثابت ہوتا ہے

تو مسجد مین جانے نہین دیتے، یہ تحقیقات اس لیے ضروری خیال کیگئی کہ بعض عورتین مردانہ لباس مین آئین، اور یہ لوگ سمجھے کہ یہ مرد ہے، جس نے ڈارھی مونچھ منڈالی ہے، اس لیے اس کو مسجد مین جانے کی اجازت دیدی، بہر حال اسی وجہ سے یورپین لوگون نے یہ غلط خیال قائم کر لیا ہے کہ مسلمان عورتون کو مسجد مین جانے کی اجازت نہین دیتے،

مذہبی حیثیت سے یہ لوگ ہر قدیم چیز کو مانتے ہین، اور جدید چیز کے منکر ہین، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ تصوف کو بدعت خیال کرتے ہین، کیونکہ اب تک اس پر اتنا زمانہ نہین گذرا ہے کہ اس کو قدامت کا شرف حاصل ہو،

ان کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع عشرہ محرم مین ہوتا ہے، جس مین وہ مختلف ٹولیان بنا کر ناچتے ہین، اور اس مین تمام قبائل باہم مقابلہ کرتے ہین، جس ٹولی کا ناچ پسند کیا جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کو دین و دنیا کی سعادت حاصل ہو گئی، بقیہ مذہبی اجتماع وہی عام مسلمانون کی عیدون کی صورت مین ہوتا ہے، البتہ وہ خطبہ کے بعد امام کو کنکری مارتے ہین، اور اس کو چومتے ہین، "ع"

دیوان میرزا کامران

مرتبہ مولوی محفوظ الحق، ایم اے، لکچرار عربی و فارسی، پریسیڈنسی کالج، کلکتہ

دیوان کامران کا صرف ایک نسخہ پٹنہ مین محفوظ ہے، جو خود کامران کی حیات مین لکھا گیا تھا، اس پر جہانگیر و شاہجہان کے ہاتھ کی تحریرین اور سلاطین و امراے مغلیہ کی مہرین موجود ہین یہ دیوان اسی نسخہ سے چھاپا گیا ہے، مرتب نے ایک مقدمہ لکھا ہے جسمین کامران کے سوانح، بذلہ سنجی، بدیہہ گوئی، و شاعری پر تبصرہ ہے، کامران کے وہ اشعار جو اس "قلمی" دیوان مین موجود نہین، مرتب نے بیسیون تذکرون، تاریخون، اور بیاضون کی ورق گردانی کے بعد جمع کئے ہین اس کتاب مین بلاک کی چار تصویرین دیگئی ہین جنمین بابر، ہمایون، جہانگیر اور شاہجہان کی تحریرون کے عکس ہین ان کے علاوہ مشہور ایرانی خطاط خواجہ محمود شہابی (کاتب دیوان کامران) کی تحریر کا بھی عکس دیا گیا ہے، اردو دیباچہ کا خلاصہ انگریزی زبان مین دیا گیا ہے، کتابت و طباعت بہترین ہے، کاغذ اعلیٰ قسم کا لگایا گیا ہے، قیمت عہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ (یوپی)

اخبار علمیہ

شہر اریحا کا انکشاف،

توراۃ مین شہر اریحا کے نذر آتش کئے جانے کا تذکرہ آیا ہے، حسن اتفاق سے ماہرین تنقیب اس کے سراغ لگانے مین کامیاب ہو گئے ہین، اور نہایت سرگرمی سے کھدائی شروع ہو گئی ہے، جس سے ایسے بہت سے قدیم آثار نکلے ہین جن سے توراۃ کی تفصیلات کی تائید و توثیق ہوتی ہے، اس کے آثار مین شمالی حصہ کے شہر پناہ کی دیوار کے کھنڈر خاص طور پر قابل ذکر ہین،

ایک نئے قسم کی عینک کی ایجاد،

جرمن ماہر چشم ڈاکٹر لیوپولڈ عائن نے ایک نئے قسم کی عینک ایجاد کی ہے، یہ آنکھون پر لگانے کے بجاے آنکھون مین پپوٹون کے اندر رکھی جائیگی، گویا اسکی حیثیت ایسی ہی ہوگی، جیسے مصنوعی دانت لگائے جاتے ہین، یہ عینک نہایت صاف شفاف اور ہلکی تیار ہوئی ہے، اس سے نہ آنکھون مین کسی قسم کی کھٹک ہوگی، اور نہ پلکون پر کوئی بار پڑیگا، البتہ ابتدا مین لگاتے وقت کسی قدر زحمت ضرور پیش آئیگی، لیکن لگا ہون کے عادی ہونے کے بعد یہ بات بھی جاتی رہیگی،

یہ عینک آجکل کی مروجہ عینکون سے چند حیثیت سے قابل ترجیح ہے، اولاً اس کے زمین پر گرنے کا خطرہ نہین ہے اور نہ اس پر گرد و غبار جمنے پائیگی، آنکھون کی رطوبت سے ہر وقت دھلتی رہیگی، اس لیے خیال ہے کہ یہ زیادہ رواج پائیگی،

سینما کی تعلیم یونیورسٹی مین

مغرب مین ابتک سینما کی تعلیم و ترقی ملک کے مختلف ادارون مین ہوتی رہی ہے، مگر اب اس کو

یونیورسٹیون مین بھی داخل کیا جانے لگا ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین جنوبی کلوفورنیا کی یونیورسٹی نے سب سے پیشقدمی کی، اور اس مین اس کا ایک مستقل شعبہ کھولا گیا ہے، اس فن کے ممتاز ماہرین بطور پروفیسر مقرر ہوے ہین، جو طلبہ کے سامنے اس موضوع پر لکچر اور محاضرات دیتے ہین،

شاہی انجمن جغرافیہ لندن کی صدسالہ جوبلی

انجمن جغرافیہ لندن کی صدسالہ جوبلی اس سال ماہ اکتوبر مین منعقد ہونے والی ہے، جوبلی کے افتتاح کے مراسم غالبًا خود شاہ انگلستان کے ہاتھون انجام پائین، ۲۱ر اکتوبر کو ان کی افتتاحی تقریر ہوگی، اس کے بعد مختلف ماہرین فن کے مختلف موضوع پر خطبے ہونگے جنمین انجمن جغرافیہ کی سرگذشت، اور صدسالہ دور مین علم جغرافیہ کی عام ترقیون خصوصًا قطب جنوبی و شمالی کی مہمون اور فضائی راستونکی تخطیط وغیرہ پر تبصرہ کیے جائینگے،

گائے اور بکری کا خون

مذبوحہ جانورون کا خون بالعموم ضائع ہوجاتا ہے، لیکن اہل امریکہ نے اسکو بھی کارآمد بنالیا ہے چنانچہ ولایات متحدہ مین ہرسال پندرہ ملین گائین اور بکریان ذبح ہوتی ہین اور ان سے جس قدر خون نکلتا ہے اس کو مختلف مصرف مین لاتے ہین، بالعموم اس کو پیپون مین بھرکر اسکی کھاد بنائی جاتی ہے، اسی طرح اسکو ایک سرخ سیال مادہ کی صورت مین بدل کر خشک کرلیا جاتا ہے، پھر تحلیل کرکے ایک قسم کا پوڈر بنالیا جاتا ہے جو چمڑون کے رنگنے کے کام آتا ہے، اور علاوہ ازین بعض طبی ضرورتون مین بھی اس سے کام لیا جاتا ہے،

کانون مین مصنوعی روشنی

کانکن بالخصوص کوئلے کی کانون مین کام کرنے والے مزدور سورج کی قدرتی روشنی سے بالکل محروم رہتے ہین، اور صرف برقی روشنی مین ہفتون کام کرتے ہین یہی وجہ ہے کہ عمومًا ان کی صحت بہتر حالت مین نہین رہتی، اس بناپر ایک امریکن عالم نے ایک خاص قسم کا چراغ ایجاد کیا ہے، جو سورج کی قدرتی روشنی کا قائم مقام ہے، اور تجربی رپورٹون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی روشنی کا اثر مزدورون کی صحت پر اچھا پڑرہا ہے، اور توقع ہے کہ اس کا استعمال اور دوسری کانون مین بھی ہونے لگے گا،

مکھن، دودھ اور بچہ

برطانی طبی مجلس کے ڈاکٹرمین نے اس کی تحقیق کیلئے کہ بچہ پر دودھ کا کیا اثر پڑتا ہے، اس نے پانچ سو بچون کو لیا، اور ان کو دو حصون مین منقسم کردیا، ایک کو وہ ایسی غذائین کھلاتا رہا جنمین دودھ اور مکھن رہتا تھا، اور دوسرے کو ایسی غذائین دیتا رہا جنمین یہ چیزین نہ تھین چار برس کے بعد جو امتحان کیا گیا تو نتیجہ نکلا کہ دودھ اور مکھن والی غذائین کھانے والے بچون کا وزن دوسرے کے مقابلہ مین ۴ پونڈ سے ۷ پونڈ تک زیادہ تھا، اور قد و قامت مین بھی پہلے بچے دوسرے بچون سے دو انچ سے ڈھائی انچ تک بڑے تھے،

مصر سے بصرہ تک

مصر سے بصرہ تک جہاز کے ذریعے سے بحری سفر مین ایک مہینہ کے قریب وقت صرف ہوتا تھا یعنی مصر سے سویس، سویس سے باب المندب، وہان سے بمبئی، اور بمبئی سے بصرہ، اب شاہی ہوائی جہازون کی کمپنی نے جو ہوائی راستہ نکالا ہے اس کے ذریعہ سے یہ سفر چند گھنٹون مین طے ہوگا، لوگ مصر کے پروازگاہ مدینۃ الشمس (ہیلیوپولس) سے صبح ۵ بجے روانہ ہونگے اور شام کی چاے کے وقت غزہ، آبار رطبہ، اور بغداد ہوکر بصرہ پہنچ جائینگے،

خیالات کی قیمت

امریکہ مین اگر کوئی شخص کوئی نیا خیال یا نیا علمی نظریہ قائم کرتا ہے تو اس کی نہایت گران قیمت ملتی ہے، اور اس کے متعلق اخبارات مین بہت سے لوگ اشتہارات شائع کرتے ہین کہ وہ ان خیالات کو معقول قیمت پر خریدنا چاہتے ہین، چنانچہ سنہ ۱۹۲۸ء مین اس طرح پر جو ابتکاری خیالات فروخت ہوئے تھے ان کی قیمت ڈھائی ملین ڈالر تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تجارت کو روز بروز ترقی ہورہی

ہے، کیونکہ اس سے پہلے جو خیالات فروخت ہوئے تھے ان کی قیمت اس سے ایک ملین ڈالر کم تھی،

ایک نئی روسی توپ

آج کل بالشویک کی سرخ فوج مین ایک نوایجاد توپ کا اضافہ ہوا ہے، اس کا موجد ایک روسی دجتاریف نامی ہے، جو کسی روسی کارخانہ مین کام کرتا ہے، یہ توپ اپنے فیر کے لحاظ سے لوئس کی مشہور توپ سے بھی بازی لیگئی، لوئس کی توپ ایک منٹ مین ۱۲۵ فیر کرتی ہے، اور یہ نوایجاد روسی توپ ایک منٹ مین ۱۵۰ فیر کرتی ہے، لوئس کی توپ کا وزن ۳۱ پونڈ تھا، اور اس کا صرف ۱۰ پونڈ ہے، اس کا طول وعرض ۴۰ سے ۸۰۰ میٹر تک ہے

آہنین تمدّن

آجکل دور حاضر کی مدنیت کو "تمدن آہنین" سے موسوم کیا جارہا ہے، کیونکہ لوہے کا خرچ سال بسال زیادہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ ۱۹۲۶ء مین صرف ولایات متحدہ مین کانون سے جو خام لوہا نکالا گیا، اسکی تعداد ۶۲ ملین ٹن سے زیادہ تھی، جسکی قیمت ۱۳ ملین پونڈ ہوتی ہے،

فلک بوس عمارتین

اس وقت امریکہ اس قسم کی عمارتون سے بھرا ہوا ہے جنکی بلندی کی کوئی حد نہین، سب سے عجیب بات یہ ہو کہ انکی بلندی صرف فضا ہی تک محدود نہین ہوتی، بلکہ زمین کے نیچے بھی ان کے متعدد درجے ہوتے ہین، اس قسم کی عمارتون مین اس وقت سب سے بلند عمارت کولسیلر کمپنی کی ہو جسکی بلندی سطح زمین سے ۱۰۰۰ انچ ہی اور زمین کے نیچے کے درجون کے سوا اسکے ۶۸ درجے اوپر کے ہین، اسکے بعد وولورث کی عمارت کا درجہ ہو جسکی بلندی ۷۵۰ انچ ہو اور زمین کے نیچے اور اوپر اسکے ساٹھ درجے ہین، پھر بیمہ کمپنی کی ایک عمارت ہی جسکی بلندی ۷۰۰ انچ ہے، اور زمین کے اوپر اس کے ۵۰ درجے ہین،

علمی تجربون سے ثابت ہوا ہو کہ ہوا بالخصوص آندھیون کے چلنے سے ان عمارتون مین حرکت پیدا ہوجاتی ہو لیکن ان مین رہنے والون کو یہ حرکت محسوس نہین ہوتی، تاہم زلزلون کا اثر ان پر وہی پڑتا ہی جو عام عمارتون پر پڑتا ہے،

"د"

ادبیات

پارہائے دل

از

جناب مرزا عزیز صاحب وارا پوری لاہور

بندۂ سرمایہ داران نیستم — مدح خوانِ شہریاران نیستم

کار با صوفی ندارم زانکہ من — از گروہِ گوسفندان نیستم

کشتہ می خواہم شدن در راہِ دین — مرثیہ خوانِ اماماں نیستم

آنکہ زہرِ فرقہ بازی خورد و مرد — شکر للہ آن مسلمان نیستم

قوتِ من از قوتِ بازوئے خویش — بر متاعِ غیر نازان نیستم

مومن استم، ساکنِ دنیا استم — ترکی و مصری و افغان نیستم

ذرۂ ایمانم بہ از کون و مکان — مثلِ زاہد جنسِ ارزان نیستم

کاہ گیرد کاہ سازد کوہ را — بے خبر از زورِ ایمان نیستم

ہر چہ بینم پیش، دانم کردنی است — از گروہِ تنگ فامان نیستم

در بغل قرآن و من خوار و زبون — خاتمے دارم سلیمان نیستم

روحِ بیجان جسمِ بے تاب و توان — نیستم پیدا و پنہان نیستم

درد دارم بے تپش آہ و اُمید بہرِ دردِ قوم درمان نیستم
قالبم خالی ز قلبِ زندہٗ یک تنم مشتِ گِلم، جان نیستم

قیمتِ دل کس نمی یابد ز حُسن بندِ دامِ حُسنِ خوبان نیستم
جان براہِ جانِ جان دادن بقاست در تلاشِ آبِ حیوان نیستم
در گلستانِ جہان چون نرگسم این نگر دانم کہ حیران نیستم
جان بنالد "در غلامی سوختم" دل بگوید "زیرِ فرمان نیستم"
باغِ من پُر لالہ و بے سبزہ است اشکِ خونم، ابرِ نیسان نیستم
رازِ عشقم، عقدہٗ لاینحلم در جہان یک کارِ آسان نیستم
با سوارا و ابوزد سوزِ دل عاشقم، بے برگ و سامان نیستم
دل بدانم کہ گیرم دامنت اے گلِ من گل بدامان نیستم
زندہ از شورِ جنونم شہرہا ذرہٗ دشت و بیابان نیستم
از سکون بیزار و ہیم بیقرار موجم و کمتر زِ طوفان نیستم
نغمہ ام پردرد و پرسوز است و تلخ بلبلے ہستم خوش الحان نیستم

پارہ ہاے دل بقرطاس آوردم
اے عزیزِ من غزل خوان نیستم

شعاعِ شمس

(از نواب زادہ سید شمس الحسن صاحب شمس بی اے خلف شمس العلما نواب سید محمد علی حسن خان لکھنؤ)

مدت ہوئی ہے دید کا ارمان کئے ہوے دل کو حریفِ لذتِ حرمان کئے ہوے
برسون ہوے ہین درد کا درمان کئے ہوے رگ رگ مین نیشِ عشق کو پنہان کئے ہوے
پھر کر رہا ہے آتشِ دل کوئی مشتعل ہر داغِ دل کو شمعِ شبستان کئے ہوے
پھر جی مین ہے کہ کیجئے عرضِ متاعِ شوق خونِ جگر کو زینتِ دامان کئے ہوے
پھرنے رہا ہون درسِ محبت جنون سے مین شیرازہٗ حواس پریشان کئے ہوے
اے دل تجھے نوید کہ قاتل چلا ہے آج تیغِ شعاعِ حسن کو عریان کئے ہوے
پھر کر رہا ہے خونِ تمنا ستم شعار دل کو سپردِ دشنہٗ مژگان کئے ہوے
پھر آرہا ہے آج وہ رشکِ صد آفتاب ہر ذرہ ہاے راہ کو رخشان کئے ہوے

اے دل ابھی گئین نہ تری کفر خیزیان
مدت ہوئی اگرچہ مسلمان کئے ہوے

باب التقریظ والانتقاد

اسلامی کارنامے

مؤلفہ

جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی

از سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین،

حجم ۱۳۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت مجلد عمر پتہ: مسلم بکڈپو پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی چند سال سے اسلامی علوم و تاریخ کی خدمت مین مصروف ہین، اور ان کے مختلف چھوٹے چھوٹے رسالے "اسلامی مساوات" "اسلام اور غیر مسلم" اور "اسلام اور غلامی" وغیرہ شائع ہو چکے ہین، اور اس سلسلہ مین ان کا آخری کارنامہ زیر تبصرہ رسالہ "اسلامی کارنامے" ہے، جس مین اسلام کی تمدنی ترقیون کو نہایت خوبی سے پیش کیا گیا ہے، رسالہ حسب ذیل ابواب "فتوحات اسلامی" "مسلمانون کے علمی کارنامے" "اسلامی صنعت و حرفت" اور "اسلامی عمارتین" مین منقسم ہے، جن کے مباحث کا اندازہ اپنے اپنے عنوان سے ہو جاتا ہے، رسالہ مین بغداد، دمشق، اور الحمراء وغیرہ کی تصویرین جا بجا اپنے اپنے موقع سے منسلک ہین، اور رسالہ کے آغاز مین مولانا مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم اے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیمات ریاست بھوپال کا ایک مختصر مقدمہ اور آخر مین رسالہ کے سال طباعت کے قطعات تاریخ منسلک ہین،

جناب مؤلف ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ اپنے اس مختصر سے مجموعہ کو ایسا گلدستہ بنا کر پیش کیا، جس مین اسلام کی تمدنی ترقیون کے رنگ برنگ کے پھول اپنے اپنے موقع پر چنے ہوئے ہین، اور جس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف کو اس کی آراستگی مین صرف اردو علم تاریخ و ادب کے گلشن سے خوشہ چینی کرنی پڑی، لیکن کمال دیانتداری سے اردو کتابون کے حوالے بھی دیدیئے گئے ہین، جسکو اب تک ہمارے "مصنفین" اپنے شایان شان نہین سمجھتے ہین، لیکن اگر ان حوالون کے ساتھ ساتھ مؤلف "اسلامی کارنامے" اپنے ماخذون کے حوالے مین کوئی خاص فرق و امتیاز نہ رکھتے تو زیادہ مناسب تھا، کیونکہ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ اردو کی صرف انھی کتابون کے حوالے درج کیے گیے ہین جو کسی غیر زبان سے منتقل ہو کر آئی ہین، چنانچہ تمدن عرب موسیو لیبان، اخبار الاندلس مسٹر اسکاٹ، اور علوم عرب جرجی زیدان وغیرہ کے حوالے بے تکلفی سے درج کئے گیے ہین، لیکن انھی کے پہلو بہ پہلو اردو کے بعض ممتاز اہل قلم کی بعض کتابون اور مضامین سے معلومات لیے گئے ہین، لیکن وہ بغیر کسی استناد کے درج کر دیے گئے ہین، جسکی وجہ سے رسالہ کے اہم مباحث خصوصاً پہلا باب "فتوحات اسلامی" اور پھر "اسلامی مدارس" "اسلامی شفاخانے" اور "اسلامی کتب خانے" وغیرہ اپنے ماخذ کے لیے تشنہ رہ گئے ہین، یہی صورت واقعہ "اسلامی صنعت و حرفت" اور آخری باب "اسلامی عمارتین" مین ہے، حالانکہ اس کے ایک ایک بیان کو حوالہ سے ہونا چاہیے تھا، خصوصاً "دوربین" اور "ہوائی جہاز" وغیرہ کی ایجاد کو عہد اسلامی مین بغیر کسی حوالہ کے بتانا موزون نہ تھا، اس موقع پر جناب مؤلف سے ان تمام معلومات مین جزوی حوالہ کا صرف اس لیے مطالبہ ہوا کہ رسالہ کی یکسانیت قائم رکھی جاتی، اس لیے اگر حوالے تھے تو سب کے ہوتے ورنہ درحقیقت ایسے مختصر رسالون مین کسی حوالہ کی چندان کوئی ضرورت بھی نہین تھی، محض "عرض حال" مین حوالون کا جو اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے وہ کافی تھا،

اس کے بعد ایک خاص امر جو جناب مؤلف کی خدمت مین پیش کرنا ہے وہ یہ کہ ترتیب کتاب کے وقت مؤلف کا یہ ایک نہایت نازک فریضہ ہوتا ہے کہ ماخذون کے مطالب نہایت حزم و احتیاط

سے اس طرح سمجھنے کی کوشش کیجائے کہ کتاب کا اصل منشا پورے طور پر آئینہ ہوجائے، کیونکہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف اہل قلم مختلف زاویۂ نگاہ سے قلم اٹھاتے ہین، کوئی کسی ایک پہلو کو نمایان کرتا ہے تو کوئی دوسرے پہلو کو پیش کرتا ہے، اور بسا اوقات محض طرزِ ادا کے اختلاف سے ایک کا بیان دوسرے سے بظاہر متضاد نظر آتا ہے، جو درحقیقت ایک مسئلہ کے مختلف پہلو ہوتے ہین، اس لیے ضرورت ہوتی ہے، کہ ان تمام بیانات پر ہر ایک کے زاویۂ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے مجموعی طور پر نظر ڈالی جائے، اور اگر واقعۃً کوئی ایک بیان دوسرے کے متضاد ہو تو ان مین اپنے دلائل سے ترجیح دیجائے، ورنہ سب کے بیانات سامنے رکھتے ہوے، واقعہ کی ایک مرتب شکل تیار کرلیجائے، افسوس ہے کہ مؤلف "اسلامی کارنامے" نے یہ اصول پیش نظر نہین رکھا، اور اپنے ماخذ پر ایسی سرسری نظر ڈالی کہ دو مختلف کتابون کے بیانات جو دراصل ایک امر واقعہ کے دو مختلف پہلو ہین، ان کو ایک دوسرے کے متضاد قرار دیدیا، اور پھر بغیر کسی معقول استدلال کے ایک دوسرے پر ترجیح دیدیگئی ہے، مثلاً مسٹر اسکاٹ اور مولانا شبلی کے بیانات مین اندلس کی علمی و تعلیمی ترقیون کا بیان آیا ہے، مسٹر اسکاٹ وہان کی ذہنی، علمی اور تعلیمی ترقیون کا عام خاکہ کھینچتے ہین اور مولانا شبلی اپنے مضمون "اسلامی مدارس اور دارالعلوم" مین علامہ مقریزی صاحب نفح الطیب کی روایت پیش کرتے ہوئے ظاہر کرتے ہین کہ اسلامی عہدِ حکومت مین وہان جو نظامِ تعلیم جاری تھا، اس مین درس و تدریس کے لیے کوئی مستقل عمارت نہین ہوتی تھی، بلکہ قدیم اسلامی نظامِ تعلیم کے طریقے پر تمام چھوٹے اور بڑے مدرسے مسجدون مین قائم تھے،

مؤلف "اسلامی کارنامے" کے پیش نظر ایک طرف مولنا کا یہ بیان تھا جس کا دارومدار اندلس کے ممتاز ترین مستند مورخ مقریزی کی تصریح پر ہے، اور دوسری طرف مسٹر اسکاٹ کی کتاب اخبار الاندلس تھی جسمین نہایت شان و شکوہ سے وہان کے نظامِ تعلیم کا تذکرہ ملتا ہے، جس مین "یونیورسٹی" "کالج" "اسکول" "پروفیسر" "رجسٹر" اور "حاضری" وغیرہ جیسے مرعوب کن الفاظ استعمال کئے گئے

ہین، اور سرسری مطالعہ سے یہی پرشان و شوکت الفاظ ہمارے دوست کے لیے بھی فریب دہ ثابت ہوگئے ہین، اور وہ مقریزی اور اسکاٹ کے بیانات کو ایک دوسرے کے مخالف سمجھکر چھ سات صفحون مین ایک تفصیلی اظہار رائے کرڈالتے ہین، حالانکہ اگر ان دونون بیانون کو دقتِ نظر سے دیکھا جاتا تو دونون اپنی اپنی جگہ صحیح تھے،

مسٹر اسکاٹ وہان کی عام علمی و تعلیمی ترقیون کو بیان کررہے ہین، اور مولانا شبلی کا موضوعِ بحث صرف "اصطلاحی مدارس" ہے،

اصطلاحی مدارس سے مولانا شبلی کی مراد یہ ہے کہ "اساتذہ و طلبہ کی ایک ہئیت اجتماعی کسی ایسی عمارت مین قائم کیگئی ہو جو محض درس و تدریس کے مقصد سے "مدرسہ" کے نام سے تعمیر ہوئی ہو" اسی کو پیش نظر رکھ کر مولانا فرماتے ہین:۔

"اس تمام وسعت مین کسی کالج یا اسکول کا ہمکو نشان نہین ملتا"

مولانا شبلی کا یہ بیان علامہ مقریزی کے اس بیان پر مبنی ہے کہ

"تمام اسپین مین ایک بھی مدرسہ نہین ملتا، صرف مسجدون کے صحن تھے، جنمین تمام علوم و فنون پڑھائے جاتے تھے:"

لیکن اس کا ہرگز یہ مقصود نہین کہ اندلس کی علمی و تعلیمی ترقیون سے انکار کیا گیا ہو کہ وہ مسٹر اسکاٹ کی روایت کے مخالف قرار پائے، جس طرح مسٹر اسکاٹ وہان کی تعلیمی ترقیون کے مداح ہین اسیطرح مولانا شبلی بھی معترف ہین، صرف فرق یہ ہے کہ مولانا شبلی تصریح سے زیادہ کام لیتے ہین، اور وہان کے نظامِ تعلیم کے متعلق متعین طور پر اظہار فرمادیتے ہین کہ اسلامی عہدِ حکومت مین روزِ اول سے تعلیم کا جو نظام قائم ہوا، اندلس برابر اسی پر گامزن رہا، چوتھی صدی سے قبل تمام عالم اسلامی مین بڑے سے بڑے مدرسے مسجدون مین ہوتے تھے، پانچوین صدی کے آغاز کے ساتھ ہی خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار علاقون

مین ایک جدید نظام قائم ہوا، اور مدارس کے لیے مستقل عمارتین تعمیر ہونے لگین، لیکن اندلس اپنی قدیم روش
پر قائم رہا، اور وہان مدرسون کے لیے مستقل عمارتون کا رواج نہین ہونے پایا، بلکہ انہی مدارس سے جو
مسجدون مین قائم تھے، وہان کی تمام علمی و تعلیمی ترقیان ہوئین، اور ہم اساتذہ کے فرق مراتب، اور طلبہ
کی تعداد کے لحاظ سے انہی مدرسون کو مجازاً اسکول، کالج اور یونیورسٹی کہہ سکتے ہین، جو درحقیقت واقعہ
نفس الامر کے لحاظ سے اپنی علمی و تعلیمی خدمات مین آجکل کی موجودہ تعلیمگاہون سے کسی طرح فروتر نہین تھے
اور اسی لیے اگر مسٹر اسکاٹ ان کو مجازاً یونیورسٹی، کالج اور اسکول کے نام سے یاد کرتے ہین تو وہ بھی
مورد الزام نہین ہین، لیکن اگر اصطلاحی طور پر بحث کیجائے گی تو جس طرح بغداد مین مدرسہ نظامیہ قائم ہوا،
اندلس مین اس کی کوئی مثال نہین ملتی، اگرچہ وہی مدرسے جو وہان کی مسجدون مین قائم تھے، اپنی تعلیمی
خدمات مدرسہ نظامیہ سے بھی بیش از بیش انجام دیئے، اسلیے مولانا شبلی نے نہایت تصریح سے فرمایا کہ

"بے شبہہ قرطبہ کی علمی شہرت بغداد سے کم درجہ پر نہین، بے شبہہ یورپ کی استادی کا فخر اسپین ہی
کا خاص حصہ ہے، لیکن اس وقت اصطلاحی مدارس سے بحث ہے، جس کے معنی اتنے ہی حد تک
محدود ہین کہ خاص درس و تدریس کی غرض سے کوئی عمارت تیار کیگئی ہو"

لیکن مولانا شبلی کی ان تصریحات کے باوجود مولف "اسلامی کارنامے" مسٹر اسکاٹ کے مجازی
الفاظ سے اس درجہ فریب خوردہ رہے کہ انھین اس پر اعتبار نہ آیا، اور مولنا کے جواب مین مسٹر اسکاٹ
کی کتاب اخبار الاندلس کے طویل اقتباسات درج کر دیئے، مثلاً جنمین مسٹر اسکاٹ یون لکھتے ہین:۔

"اندلس کی اسلامی یونیورسٹیون کے تمام طالب علم بلا کسی استثنا کے سائنٹفک مضامین پر
مخاطبات مین شامل ہوتے تھے ... اندلس وصقلیہ کے مدارس مین یورپ کے تمام ملکون سے
شوقین طالب علم تحصیل علم اور شہرت کے لیے کھنچے چلے آتے تھے"

چنانچہ اسی قسم کے اقتباسات درج کرنے کے بعد وہ آخر مین نتیجہ بحث کے طور پر یہ الفاظ سپرد قلم کرتے ہین

"جس دار العلوم مین گیارہ ہزار طلباء کی روزانہ حاضری ہو یہ کبھی گمان کیا جاسکتا ہے کہ طلباء
کو مسجدون کے صحن مین تعلیم دیجاتی ہوگی، صرف قرطبہ مین ... مدرسے تھے، کیونکہ اسپین کی
ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ کا ہونا بھی ضرور تھا" (ص ۸۵)

اسلامی عہد حکومت کے قدیم نظام تعلیم کا صحیح مرتبہ بتا دینے کے بعد اصل یہ ہے کہ چوتھی صدی سے اسلامی
نظام تعلیم مین جو تغیرات ہوئے اور پانچوین اور چھٹی صدی مین عام طور پر جدید نظام تعلیم کے ماتحت جو جو اسلامی مدرسے
قائم ہوے وہ صرف عالم اسلام کے مشرقی حصون مین قائم ہوے، دوسرے الفاظ مین یون کہنا چاہیے کہ جدید نظام تعلیم صرف خلافت عباسیہ کے
زیر اقتدار و زیر اثر علاقے مین رائج ہوا، اسکو مغربی ممالک اندلس اور صقلیہ وغیرہ مین قبولیت حاصل نہین ہوئی
ان ممالک مین جو قدیم طرز قائم تھا وہی باقی رہا، اور اسی قسم کے مدرسون مین یورپ کے مختلف ملکون کے
شوقین طلبہ آکر تحصیل علم کرتے رہے، صقلیہ کی پوری اسلامی تاریخ چھان ماریئے لیکن کسی ایک ایسی عمارت
کا پتہ نہ چلیگا جو مدرسہ یا دار العلوم کے نام سے موسوم ہو، لیکن وہان کے انہی مدرسون کی علمی خدمات
جو مسجدون مین قائم تھے، اس قدر وقیع ہین کہ مسٹر اسکاٹ کا یہ بیان یقیناً مبالغہ آمیزی سے پاک ہی کہ

"اندلس اور صقلیہ کے مدارس مین یورپ کے شوقین طلبہ تحصیل علم اور شہرت کے لیے کھنچے
چلے آتے تھے"

یا یہ کہ

"ہیرو، ابراٹاس، تھی غیس، اقلیدس، اور بطلیموس کی کتابین ان طالبعلمون مین متداول
تھین، جو بلرم (پلرمو) اور مسینا (صقلیہ) کی یونیورسٹیون مین زیر تعلیم تھے"

اور باوجودیکہ مدرسے مسجدون مین قائم تھے، لیکن ان کا تعلیمی نظام اس قدر ترقی یافتہ تھا کہ صقلیہ
کے صرف ایک شہر بلرم مین اساتذہ کی تعداد ۳۰۰ تھی، یاقوت لکھتا ہے،

والغالب علی اهل المدینة المعلمون فكانوا   اہل شہر مین زیادہ تر معلمین رہتے ہین، اور صرف

بلرم فثلاثمائة معلم (معجم البلدان ج ۲ ص ۳۰۶) — بلرم مین تین سو معلم تھے،

بغداد وغیرہ مین مدرسون کی مستقل عمارتون کا رواج چوتھی صدی مین ہوچکا تھا، اور ابن جبیر چھٹی صدی مین صقلیہ پہنچا ہے، اور دو سو برس گذر جانے کے بادجود اسکو یہان ایک بھی ایسا مدرسہ نہین ملا جو کسی مستقل عمارت مین "مدرسہ" کے نام سے قائم ہو، بلکہ جس قدر مدرسے تھے وہ سب کے سب مسجدون مین قائم تھے بلرم کی ایک اہم خصوصیت وکثرتِ مساجد بھی بتائی جاتی ہے، لیکن یہ سنکر حیرت ہوگی، وہ مسجدین صرف نمازیون کے لیے نہین تھین، بلکہ طلبہ واساتذہ کے درس وتدریس سے معمور تھین، چنانچہ وہ لکھتا ہے

اما المساجد فکثیرة لا تحصی واکثرها محاضر لمعلمی القرآن (رحلة ابن جبیر ص ...)

لیکن مسجدین تو وہ بے شمار ہین جو زیادہ تر قرآن کی تعلیم گاہین ہین،

بلکہ ان مغربی ممالک مین مسجد کو "تعلیمگاہ" ہونے سے اس درجہ مناسبت تھی کہ اگر کسی تعلیمگاہ کی تعمیر کی ضرورت بھی پڑی تو بغداد و دمشق کے دارالعلوم کے طرز پر نہین بلکہ "مسجد" کی شکل مین عمارت تعمیر کیگئی اور اس کا نام "مدرسہ" یا "دارالعلوم" نہین بلکہ "مسجد" ہی قرار پایا، ابن حوقل کی روایت سے زیادہ مستند اور کون روایت ہوسکتی ہے، وہ لکھتا ہے،

وفی هذه العشرة المساجد التی ذکرتها مسجد یصلی ابو محمد الصقلی ورائه الی جانبه بنحو عشرین خطوة مسجد لولده ابتناه لیتفقه فیه

ان دسون مسجدون مین جنکا ذکر مین نے کیا ایک مسجد ہے جس مین ابو محمد الصقلی نماز پڑھتے ہین اور اُسی کے پہلو مین ۲۰ قدم پر ایک مسجد ان کے لڑکے کے لیے بنائی گئی کہ وہ اس مین علم حاصل کرے،

اس سے یہ خود بخود آشکارا ہوتا ہے کہ ان ممالک مین تعلیمگاہ کے لیے اس طرز پر عمارت تعمیر نہین ہوتی تھی، جو مشرقی ممالک مین رواج پذیر تھی، بلکہ مسجدون مین درس وتدریس کا سلسلہ قائم تھا، اور چھوٹے بڑے تمام مدرسے مسجدون مین قائم تھے، اور اگر مدرسہ کے لیے کسی مستقل تعلیمگاہ کی ضرورت

پڑتی تو "دارالعلوم" کی تعمیر کے بجائے "مسجد" تعمیر کیجاتی تھی،

آخر مین یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ان جزوی خردہ گیریون کے باوجود کتاب اپنے معلومات کی یکجائی اور ترتیب وتبویب کے لحاظ سے مطالعہ کے لائق ہے، زبان بھی صاف اور سلیس ہے، اگرچہ ایک دو جگہ معمولی فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین، مثلاً "گھڑی کا ایجاد" لیکن اس قسم کا سہوِ قلم لائقِ التفات نہین ہے، ہم جناب مؤلف کو اس مفید تالیف پر تہِ دل سے مبارکباد دیتے ہین،

ادبی خطوطِ غالب

مرتبہ

مرزا محمد عسکری بی۔ اے، لکھنوی۔

مرزا غالب نے صرف اردو شاعری ہی مین ایک نئی طرز کو ایجاد کرکے انقلابِ عظیم نہین پیدا کیا، بلکہ انھون نے قدیم نثر کا اسلوب بھی بالکل بدل دیا، اور آج موجودہ زمانہ مین اردو انشاپردازی کا جو سادہ نمونہ قائم ہوگیا ہے اس کے موجدِ اول درحقیقت مرزا غالب ہی ہین، لیکن اس زمانہ مین ان کا مختصر سا دیوان اس قدر مقبولِ عام ہوا کہ لوگ مرزا کی نثر کو بالکل بھول گئے، اور دیوانِ غالب کے مختلف ایڈیشنون نے ہماری الماریون کے خانون کو اس قدر گھیر لیا کہ اردوے معلّی اور عودِ ہندی کے رکھنے کی ان مین جگہ نہین رہی، لیکن اب مرزا غالب کی نثر کی طرف بھی توجہ مبذول ہوئی ہے، اور سردست مرزا محمد عسکری بی اے لکھنوی نے ان کے خطوط سے جو اردوے معلی اور عودِ ہندی مین مندرج ہین، صرف ادبی خطوط کا انتخاب کرکے ایک مجموعہ "ادبی خطوط غالب" کے نام سے شائع کیا ہے، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے،

اس مجموعہ کے ابتدا مین مرزا صاحب نے ۴۳ صفحہ کا ایک مقدمہ لکھا ہے، جس مین سب سے پہلے ان کے خطوط کے جمع وترتیب کی تاریخ لکھی ہے، اور اسی سلسلے مین عودِ ہندی وغیرہ کی طبع واشاعت کا حال لکھا ہے، اس کے بعد مرزا کی طرزِ تحریر کی خصوصیات گنائی ہین، اور مرزا سے پہلے

اور مرزا کے زمانے مین جو طرز تحریر جاری تھا اسکی متعدد مثالین مختلف لوگون کے خطوط سے جمع کی ہین، جن کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا نے اپنے خطوط کے ذریعہ سے اردو نثر کے طرز مین کیسا عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے، انھون نے اس سلسلے مین جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آج تک لوگون نے مرزا غالب کے خطوط کو جو محض اس غرض سے جمع کر کے چھپوایا ہے کہ ان کو پڑھکر لوگ ہنسین، خوش ہون، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ مرزا کی جدت طرازیون کے داد دین، مرزا کے خطوط کی شان اس سے بالاتر ہے، وہ صرف ایک مجموعہ شوخی وظرافت نہین ہین بلکہ ایک تاریخی اور علمی چیز ہین جن سے بہت سی مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہین اور اگر ان حیثیتون کو پیش نظر رکھکر ان خطوط کو جمع کیا جاتا تو آج اردوے معلّی اور عود ہندی اپنی موجودہ شکل سے مختلف قالب مین نظر آتین، لیکن مرزا احمد عسکری صاحب نے اس مجموعے کے ذریعہ سے یہی کمی پوری کی ہے، اور صرف ان کے علمی خطوط کا انتخاب کر کے ان کی سب سے بڑی خصوصیت کو نمایان کیا ہے، چنانچہ ان خطوط کی تعداد ۷۰ ہے جو ۷۰ صفحون مین آئے ہین، اور چونکہ ایک ایک خط مین مختلف علمی باتین آگئی ہین، اسلیے نمبر شمار کے بعد مختصر الفاظ مین ان کا خلاصہ لکھدیا ہے، اور اس کے بعد مختلف عنوانات قائم کر کے ان مختلف معلومات کو الگ الگ کر کے نمایان کر دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ مجموعہ خشک علمی مسائل کا مجموعہ نہین معلوم ہوتا بلکہ مرزا کی طرز تحریر کی جو خصوصیتین ہین، مثلاً شوخی وظرافت بذلہ سنجی و بے تکلفی سب کا لطف یکسان طور پر ملتا ہے، لیکن یہ ادبی نکات جیسا کہ ایک شاعر اور محقق زبان سے توقع ہو سکتی ہے، الفاظ کی تحقیق، اور مطالب شعر کی توضیح وغیرہ سے زیادہ تعلق رکھتے ہین، اس کے ساتھ مرزا چونکہ فارسی کے شاعر ہین، اور ان کے احباب و تلامذہ بھی فارسی زبان کا ذوق رکھتے ہین، اسلیے فارسی زبان اور فارسی اشعار کے متعلق اردو زبان سے زیادہ معلومات ملتی ہین،

ان خطوط کے بعد مرزا احمد عسکری صاحب نے نہایت محنت و عرق ریزی سے تقریباً سو صفحات سے زائد کا ایک ضمیمہ لکھا ہے جس مین بعض ان لوگون کے حالات جمع کئے ہین جنکے نام مرزا نے خطوط لکھے ہین،

اور در حقیقت یہ ایک نہایت عجیب چیز ہے، کیونکہ ان کے حالات کے پڑھنے سے ایک طرف تو ان خطوط کے متعلق بہت سی باتین معلوم ہو سکتی ہین دوسری طرف بہت سے ایسے لوگون کے حالات معلوم ہو جاتے ہین جو کسی اور طریقہ سے معلوم نہین ہو سکتے تھے، بہرحال اگر اس مجموعہ کے مقدمہ و ضمیمہ کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کتاب کو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت دیجا سکتی ہے، خود رقعات کا انتخاب جس دقت نظری کیساتھ کیا گیا ہے، اور ان کی توضیح و تشریح جس طریقہ پر کیگئی ہے اس کے لحاظ سے بھی یہ ایک مستقل تصنیف ہے، محض دوسرے شخص کے چند خطوط کا مجموعہ نہین ہے، کتاب نہایت عمدہ کاغذ پر چھپی ہے، ضخامت مع مقدمہ تقریباً ۳۰۵ صفحات قیمت عہ/ مصنف سے حسب ذیل پتہ پر مل سکتی ہے،

حکیم عبد العزیز روڈ لکھنؤ،

"م ع"

مطبوعات جدیدہ

سید البشر، مؤلفہ جناب غلام محمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول سیالکوٹ، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ، پتہ:۔ مولوی نواب الدین اینڈ سنز تاجران کتب سیالکوٹ،

جناب غلام محمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول سیالکوٹ نے سیرۃ النبیؐ پر یہ کتاب "سید البشر" برک کے اسکول کے طلبہ کے سامنے بطور اسوۂ حسنہ پیش کی ہے، کتاب تین ابواب مین منقسم ہے، پہلا باب آپ کے سوانحِ حیات مین ہے، جو پوری جامعیت سے ۵۲ صفحون مین ختم ہوگیا ہے، اس کے بعد "ذاتی اخلاق" کے عنوان سے آپ کے اخلاق و عادات مختلف عنوانون کے ماتحت سبق آموز طرز ادا مین پیش کئے گئے ہین، جو بچون کے لیے مفید ہونگے، اس کے بعد "آپ کا کام" کے عنوان سے سہل، آسان اور عام فہم زبان مین آپ کی تعلیمات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے،

جناب مؤلف کتاب کے حسنِ ترتیب اور اسکی دوسری خوبیون کے لیے ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ بچون کے لیے یہ ایک مفید ترین خدمت انجام دی ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان خوبیون کے ساتھ اس کتاب مین زبان کی صحت کی طرف سے عام بے توجہی برتی گئی ہے، حالانکہ یہ ایسے کمسن اور ناسمجھ بچون کے ہاتھ مین جانے والی ہے جو ہر مطبوعہ تحریر کو صحیح و درست سمجھ کر اس کے اتباع کی کوشش کرتے ہین، اس لیے ایسی کتابون مین زبان کی غلطیان سخت گرفت کے قابل ہین، مثلاً محض شروع کے چند صفحون مین سے ذیل کے چند جملے بطور نمونہ پیش ہین،

ص ۵ مین ہے "اور بعض قبیلون نے عیسائی مذہب بھی اختیار کر لیا ہوا تھا" ص ۱۲ "چونکہ اللہ تعالیٰ نے منصبِ رسالت آپ کو عطا کرنا تھا" ص ۱۵ "اس زمانہ مین لوگون نے آپ کو امین کا خطاب

دیا ہوا تھا" اسی طرح اسی ص ۱۵ مین پھر ہے "آپ کے ہمعصر آپ کی خوبیون کے عام طور پر قائل ہو گئے ہوے تھے" ایک طرف زبان کی یہ غلطیان ہین اور دوسری طرف اردو سیر کی ممتاز کتابون سے پیراگراف کے پیراگراف حرض یا قوسین مین نہین، بلکہ اصل کتاب مین شامل کر لیے گئے ہین، جس کی وجہ سے ساری کتاب کی عبارت مین باہمی تسلسل و سلاست قائم نہین رہا ہے، مثلاً حضرت عمر فاروقؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ لفظاً لفظاً الفاروق سے منقول ہے، لیکن ان خورده گیریون سے قطع نظر کرکے کتاب اپنے معانی و مقاصد مین نہایت کامیاب ہے، اور ہم مدارس کے عام طلبہ سے سفارش کرتے ہین کہ وہ اسکا ضرور مطالعہ کرین،

الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان، مترجمہ جناب مولوی غلام ربانی صاحب سابق نائب مدیر روزنامہ زمیندار لاہور، حجم ۱۹۴ صفحے، معارف سائز، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ، پتہ:۔ محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

یہ علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور روان ہے، علامۂ موصوف نے اس رسالہ مین علم تصوف پر بحث کرتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر سے تصوفِ اسلام کی حقیقی روح پیش کرنا چاہی ہے، اور اس سلسلہ مین "اولیاء رحمٰن" یعنی صوفیائے کرام اور "اولیاء شیطان" یعنی متصوفین کے متضاد مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے علم تصوف کے مختلف نظریے زیرِ بحث آئے ہین، جنپر کتاب و سنت اور مختلف صوفیاے کرام مثلاً حضرت سلیمان درانیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ اور ابو عثمان نیشاپوریؒ وغیرہ کے عقائد، اعمال اور اقوال سے سند لاتے ہوئے مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطۂ نظر سے ایک صحیح معنون مین حاملِ شریعت و طریقت اور صاحبِ کشف و کرامات صوفی کے اوصاف بیان کئے ہین، رسالہ اپنے موضوع اور تنوعِ مباحث کے لحاظ سے نہایت دلچسپ اور مطالعہ کے لائق ہے، اور ہم جناب محمد شریف و عبد الغنی صاحبان کے شکر گذار ہین کہ انھون نے ترجمہ کیساتھ آخر مین اصل عربی رسالہ بھی منسلک کر دیا ہے، جو ۷۹ صفحون مین آیا ہے، اور عہ دونون کی مجموعی قیمت ہے،

نغمۂ ایمانی، از جناب مولوی مرتضیٰ حسین صاحب مظہر ردولوی "فاضل شرقیات" حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی،

یہ جناب مظہر ردولوی کے دو نعتیہ ہیں، جنمین موصوف نے اپنے جذبات عقیدت نظم کی صورت مین آستانِ نبوی پر صاف اور سادہ زبان مین پیش کیے ہین، ان نظمون کی یہ قابلِ ذکر خصوصیت ہے کہ یہ ان غیر معتدل عقائد اور شاعرانہ مبالغہ آمیزیون سے پاک ہین، جو کبھی کبھی نبوت والوہیت کی تفریق بھی مٹا دیتے ہین اس مین خالص اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہوئے سیرت نبوی کی صحیح مصوری کیگئی ہے، شائقین صرف دو پیسے کے ٹکٹ بھیجکر بلا قیمت مصنف موصوف سے محلہ صوفیانہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے پتہ سے طلب کر سکتے ہین،

سلک مروارید، از مولوی حافظ حکیم محمد حسین خانصاحب سابق طبیب خاص ریاست بڑودہ حجم ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط، پتہ:- آفتاب منزل بابو پور ضلع سیتاپور،

جناب مولوی حافظ حکیم محمد حسین خانصاحب، مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی، اور حکیم عبد العزیز صاحب لکھنوی جیسے باکمال بزرگون کے فیضِ صحبت کے تربیت یافتہ اور اس وقت مغتنم زمانہ ہین، زیر تبصرہ رسالہ موصوف کے کلام کا مختصر مجموعہ ہے، جس مین مختلف عنوان "حمد" "نعت" "اعمال حسنہ و اخلاق عظیمہ" "راستی" "ایفائے عہد" "حرص و طمع" اور "قناعت" "ہمدردی" وغیرہ کے ماتحت مختلف نظمین درج ہین، طرز ادا صاف، سادہ اور سلیس ہے،

انقلابِ افغانستان، از جناب ابرار حسین صاحب فاروقی ایم اے، ایل ٹی لکچرار انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈہ حجم ۴۴ صفحے تقطیع بڑی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، پتہ: مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علیگڈہ،

جناب ابرار حسین صاحب فاروقی ایم اے نے افغانستان کے موجودہ حالات کو ڈرامے کے طرز مین ترتیب دیکر، انقلاب افغانستان کے نام شائع کیا ہے، اسمین شاہ امان اللہ خان کی تخت نشینی افغانستان اور حکومت ہند کی جنگ شاہ موصوف کا سفر یورپ اصلاحات کے بعد ملک مین بغاوت انگیزی شاہ موصوف کی حکومت سے دستبرداری اور امیر عنایت اللہ خان کے برسر حکومت ہونے تک کے حالات قلمبند کیے گئے ہین زبان صاف اور سلیس ہے، اور ڈرامے مین جو جو سین کھینچے گئے ہین، وہ بھی غیر موزون نہین ہین،

"ر"